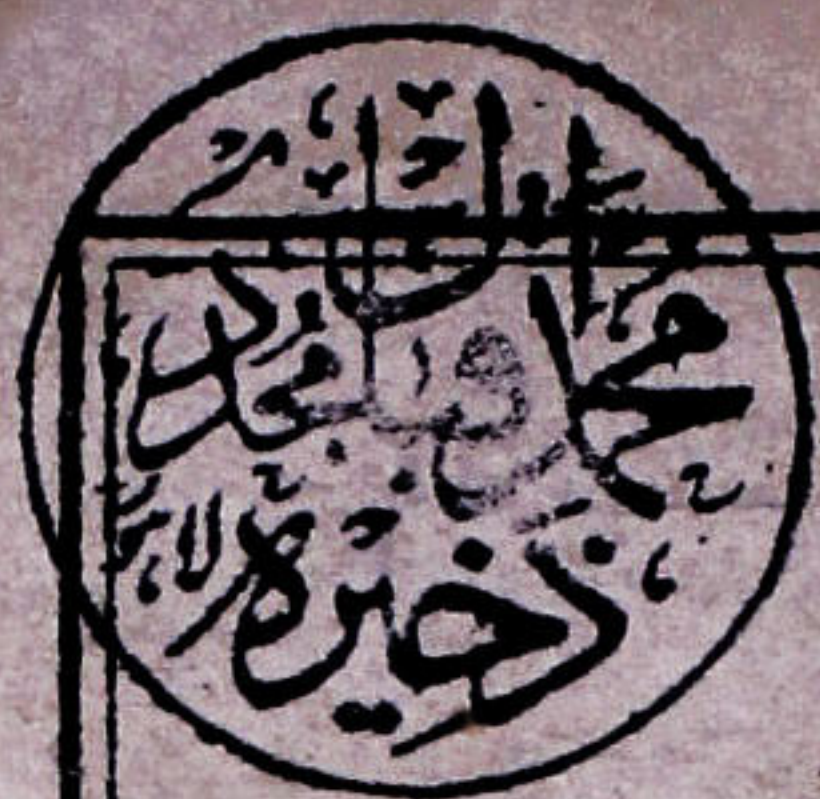




فہرست مضامین

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم 135844

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸	بی بی آمنہ کی وفات	۱	ملک عرب
"	عبد المطلب کی پرورش میں	۲	حجاز
"	عبد المطلب کی وفات	"	خدا کے قاصد
"	ابو طالب کی پرورش میں	"	پیغمبروں کا سلسلہ
۹	فجار کی لڑائی میں شرکت	۳	ابراہیم کی نسل
"	مظلوموں کی حمایت کا معاہدہ	۴	کعبہ
۱۰	کعبہ کی تعمیر	۵	اسماعیلؑ کا گھرانہ
۱۱	سوداگری کا کام	"	قریش
۱۲	تجارتی سفر	"	بنی ہاشم
۱۳	حضرت خدیجہؓ کی شرکت	۶	عبد المطلب
"	بی بی خدیجہؓ سے نکاح	"	عبد المطلب کی اولاد
۱۴	شرک اور برائی کی باتوں سے بچنا	"	عبد اللہ
"	رسول ہوتے ہیں	۷	ولادت
۱۵	وحی	"	پیدائش
۲۰	اسلام	"	بی بی آمنہ کے پاس



فہرست مضامین

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم 135844

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۸	بی بی آمنہ کی وفات	۱	ملک عرب
"	عبدالمطلب کی پرورش میں	۲	حجاز
"	عبدالمطلب کی وفات	"	خدا کے قاصد
"	ابوطالب کی پرورش میں	"	پیغمبروں کا سلسلہ
۹	نجد کی لڑائی میں شرکت	۳	ابراہیم کی نسل
"	مظلوموں کی حمایت کا معاہدہ	۴	کعبہ
۱۰	کعبہ کی تعمیر	۵	اسماعیلؑ کا گھرانہ
۱۱	سوداگری کا کام	"	قریش
۱۲	تجارتی سفر	"	بنی ہاشم
۱۳	حضرت خدیجہ کی شرکت	۶	عبدالمطلب
"	بی بی خدیجہ سے نکاح	"	عبدالمطلب کی اولاد
۱۴	شرک اور برائی کی باتوں سے بچنا	"	عبداللہ
"	رسول ہوتے ہیں	۷	ولادت
۱۸	وحی	"	
۲۰	اسلام	"	

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۳۴	ابوطالب کی گھاٹی میں نظر بندی	۲۰	توحید
۳۵	ابوطالب اور بی بی خدیجہ کی وفات	"	فرشتے
"	آپ پر مصیبتیں	۲۱	رسول
۳۶	طائف کا سفر	"	کتاب
"	قبیلوں کا دورہ	"	مرنے کے بعد پھر جینا
۳۷	اوس اور خزرج میں اسلام	"	ایمان
۳۸	عقبہ کی بیعت	"	پہلے مسلمان ہونے والے
"	ہجرت	۲۳	پہلی عام منادی
۴۱	مدینہ	۲۵	عام تبلیغ
۴۲	پہلی مسجد	۲۷	حضرت حمزہؓ کا مسلمان ہونا
"	پہلا جمعہ	"	حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا
"	مدینہ میں داخلہ	۲۹	حضرت ابوذر غفاریؓ کا مسلمان ہونا
۴۳	انصار	۳۱	غریب مسلمانوں کا ستا یا جانا
۴۴	مسجد نبویؐ اور حجروں کی تعمیر	"	حضرت بلالؓ
"	صفہ وائے	"	حضرت صہیبؓ
"	نماز کی تکمیل اور قیام	"	حضرت خبابؓ
۴۵	قیام	۳۲	حضرت یاسرؓ
۴۶	بھائی چارا	۳۳	حبش کی ہجرت

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۷۹	سبی قریطہ کا خاتمہ	۴۶	یہود کا قول و قرار
۸۰	اسلام قانون کی صورت میں	۴۷	مکہ والوں کی شرارتیں اور سازشیں
۸۲	اسلام کے لیے دو روک	۴	مسلمانوں کے تین دشمن
۸۳	حدیبیہ کی صلح (۱۰۰)	۵	مناہجہوں سے برتاؤ
۸۴	اسلام کی جیت	۵۰	مکہ کے کافروں کی روک تھام
۸۷	دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کی	۵۱	بدر کی لڑائی
	دعوت (۱۰۰)	۵۲	دشمنوں سے سلوک
۸۸	ابوسفیان و قیصر روم کا مکالمہ	۵۵	بدر کا انتقام
۹۲	خیبر	۵۶	حضرت فاطمہ زہرا کا نکاح
۹۷	عمرہ (۱۰۰)		روزہ
۹۹	موت کی لڑائی (۱۰۰)	۵۸	عید
۱۰۱	مکہ کی فتح (۱۰۰)	۵۹	احد کی لڑائی (۱۰۰)
۱۰۷	ہوازن اور ثقیف کا معرکہ (۱۰۰)	۶۷	یہودی خطرہ کو مٹانا
۱۰۸	مال غنیمت کی تقسیم اور حضور	۶۹	بنی قینقاع سے لڑائی (۱۰۰)
	صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر	۷۱	مسلمان مبلغوں کا بیدار دہ قتل
۱۱۱	تبوک کی لڑائی	۷۳	ابن ابی الحقیق کا خاندان
۱۱۴	عہد اسلام کا پہلا باقاعدہ حج	۷۴	سجی نصیر کی جلاوطنی (۱۰۰)
	اور برأت کا اعلان	۷۶	خندق یا احزاب کی لڑائی (۱۰۰)

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۲۲	روزہ	۱۱۶	عرب کے صوبوں میں اسلام کی عام منادی
۱۲۵	حج	۱۱۸	بکریں
۱۲۸	حجۃ الوداع (مسلک)	۱۱۹	عمان
۱۳۶	وفات (مسلک)	۱۲۰	شام
۱۴۳	ازواج	۱۲۱	دین کی تکمیل اور اسلامی نظام کی تائید
۱۴۵	اولاد	۱۲۲	غار
۱۴۸	اخلاق و عادات	۱۲۳	جمہ
	خاتمہ		زکوٰۃ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

وَسَيَا ح طبع اول

رَحْمَتِ الْمَوْلَى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اسلام کا گلدستہ جس دھاگے سے بندھا ہے، وہ رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا وجود مبارک ہے۔
اس لیے ضرورت ہے کہ اس دھوپاگے کے سوانح کا ایک ایک حرف ہر مسلمان کے کان تک پہنچ جائے تاکہ یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا جائے، اسکی مناسب صورت یہ ہے کہ چھوٹے بڑے ہر ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام، کام اور پیغام کو پہنچایا جائے، ایک زمانہ سے دوستوں کا اصرار تھا کہ چھوٹے لڑکوں اور معمولی لکھنے پڑھنے لوگوں کے لیے سیرت کی ایک ایسی چھوٹی سی کتاب لکھوں جس کا پڑھنا اور سمجھنا سب کے لیے آسان ہو، اور پھر اس میں کوئی ایسی بات چھوٹے بھی نہ پائے دوستوں کی اسی فرمائش کی تعمیل میں یہ مختصر سی سیرت لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اس میں عبادت کی سادگی، طرزِ یاد کی سہولت اور واقعات کے سچاؤ کا خاص خیال رکھا گیا ہے تاکہ چھوٹی عمر کے بچے اور معمولی سمجھ کے لوگ بھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں، اور اسکولوں اور مدرسوں کے کچھ بچوں میں رکھی جائے اس کتاب کا مسودہ بعض اسلامی ریاستوں کے ذمہ دار تعلیمی افسران کی نگاہوں سے گزر چکا ہے، اور صوبہ بہار کے اسلامی مکتبوں کے لیے بھی اس کا انتخاب ہوا ہے،

لہذا یہ دوسرے اسلامی مدرسوں اور مکتبوں میں بھی رائج ہے، اور ہر تعلیم کی ایک ٹری کی پوری ہو،

سید سلیمان ندوی

شبلی منزل غفتم گڑھ، ۲۰، رجب ۱۳۵۹ھ

ب
بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

دینا چہ طبع دوم

کتاب رحمت عالم ﷺ کی جو قدر ہوئی وہ مصنف کی توقع سے زیادہ ہے
الحمد للہ علی ذلک، پانچزار کتاب ہاتھوں ہاتھ نکل گئی، اور ہندی، گجراتی اور بنگالی میں
اس کے ترجمے بھی ہوئے، وکن، پنجاب، یوپی اور بہار کے مختلف اسلامی مدرسوں اور مکتبوں میں
وہ داخل مضاب ہوئی، اور اس کی فروخت سے چار ہزار روپے کے قریب دارالعلوم ندوہ کے
سرمایہ تعمیر میں منتقل کیا گیا۔

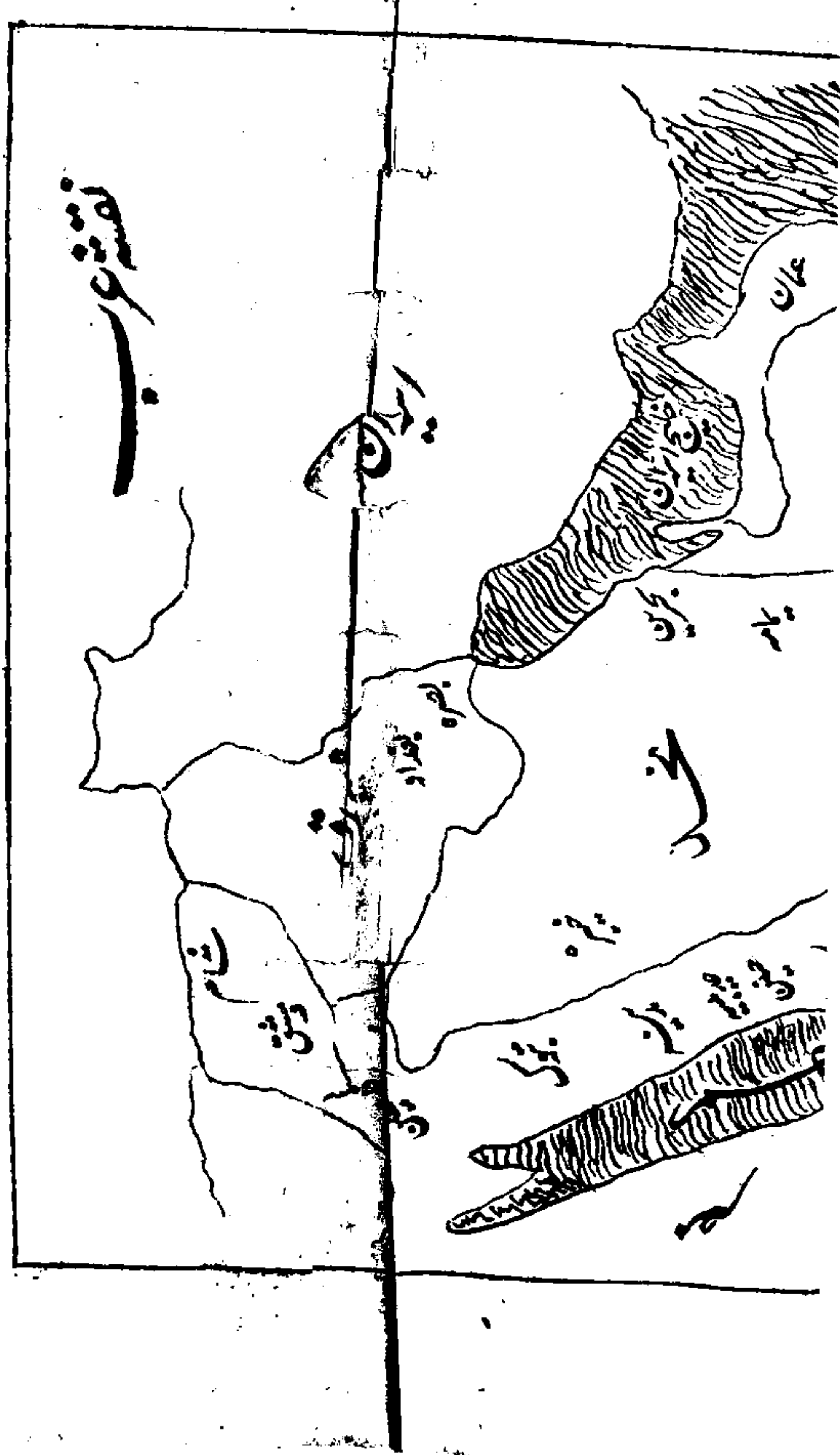
اب نیا ڈیشن آپ کے پیش نظر ہے، اس کی زبان اور بھی ہلکی کی گئی ہے، اور بعض
غلطیوں کی تصحیح بھی کر دی گئی ہے، آخرین اخلاق کا حصہ اور بھی بڑھا دیا گیا ہے، وہاں ہے کہ
اللہ تعالیٰ اس کتاب سے ہمارے بچوں میں اپنے رسول کریم ﷺ کے ساتھ
اور ان کی پیروی کا خیال پیدا ہو۔

سیچیدان

سلیمان

۶ رجاوی الاول ۱۳۶۲ھ ۲۴ مئی ۱۹۴۳ء





فارس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عرب کا ملک۔ ہمارے ملک کے پچھم طرف سمندر بہتا ہے، اس سمندر کے ایک کنارہ پر ہندوستان اور دوسرے کنارہ پر عرب کا ملک ہے، اس ملک عرب کا بڑا حصہ ریت اور پہاڑ ہے، بیچ کا حصہ تو بالکل بنجر اور غیر آباد ہے، صرف اوس کے کناروں پر کچھ سبزی اور شادابی ہے، اور انہی میں اس ملک کے بسنے والے رہتے ہیں۔

اس کے ایک طرف بحر ہند (ہندوستان کا سمندر) دوسری طرف خلیج ایران (ایران کی کھاڑی) تیسری طرف بحر احمر (لال سمندر) ہے، اور چوتھی طرف خشکی میں یہ عراق اور شام کے ملکوں سے ملا ہوا ہے، اسی لیے عرب کے ملک کو جزیرہ نما اور جزیرہ (ٹاپر) بھی کہتے ہیں، جو حصہ بحر احمر کے کنارے کنارے لمبائی میں شام کی سرحد سے شروع ہو کر یمن کے صوبہ پر ختم ہوتا ہے، حجاز کہلاتا ہے، یمن کا صوبہ بحر احمر کے کنارے کنارے حجاز سے عدن کی کھاڑی تک پھیلا ہے، اور یہ عرب کا سب سے ہرا بھرا اور آباد صوبہ ہے، اسی کے قریب عدن کی کھاڑی کے کنارہ پر حضرت موسیٰؑ ہے، اور عمان کے دریا کے عربی کنارے پر عمان اور ایران کی کھاڑی کے کنارے پر بحرین اور اس سے ملا ہوا یامامہ ہے، اور بیچ ملک سے عراق تک کا حصہ نجد کہلاتا ہے،

۱۔ بحر سمندر کو کہتے ہیں،

حجاز۔ اوپر پڑھ چکے کہ بحرا ہجر کے کنارے کنارے شام کی سرحد سے یمن تک جو حصہ ہے اس کو حجاز کہتے ہیں، حجاز میں تین شہر مشہور تھے، اور اب بھی ہیں، ایک مکہ، دوسرا طائف اور تیسرا ثیب، ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام (ان پر وہ دو سلام ہیں) کو انہی تین شہروں سے تعلق تھا۔

خدا کے قاصد۔ تم روز دیکھتے ہو کہ ایک شخص مطلب کی کوئی بات جس کو پیغام کہتے ہیں، دوسری دوسرے کے پاس بھیجتا ہے تو وہ اپنی بات اپنے کسی معتبر آدمی سے کہہ دیتا ہے، اور وہ آدمی اس بات کو سن کر دوسرے شخص کو سنا آتا ہے، اس معتبر آدمی کو ہم قاصد اور پیغام لے جانے والا، اور فارسی میں پیغامبر اور عربی میں رسول کہتے ہیں، ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے جب چاہا کہ اپنے بندوں کو اپنے مطلب کی بات اور پیغام سے خبر دے تو اس نے اپنی مہربانی سے اپنے کسی چہیتے اور پیارے بندہ کو اس کام کے لیے چنا، اور اس کا نام خدا کا قاصد، خدا کا پیغام پہنچانے والا، اور پیغمبر رکھا، جو کہ لوگ اسی کو بنی اور رسول کہتے ہیں، خدا کے ان قاصدوں اور رسولوں کا کام یہ ہے کہ وہ خدا کی باتوں کو بندوں تک پہنچاتے ہیں، اور ان کو بتاتے ہیں کہ تمہارا خدا تم سے کیا چاہتا ہے، اور کن باتوں کے کرنے کا تم کو حکم دیتا ہے، اور کن باتوں کو وہ ناپسند کرتا ہے، جو بندے اس کا کما مانتے ہیں ان سے اللہ خوش اور جو نہیں مانتے، ان سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

پیغمبروں کا سلسلہ۔ تمہارے خدا نے جب یہ دنیا بنائی، اور اس میں آدمی کو بسایا، تو سب سے پہلے جس آدمی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا، اس کا نام آدم رکھا، انہی آدم سے یہ سارے آدمی پیدا ہوتے چلے آ رہے ہیں، انہی حضرت آدم کے وقت سے

اللہ نے اپنے بندوں کو اچھی باتیں سکھانے اور بُری باتوں سے روکنے کے لیے اپنے قاصدوں اور پیغمبروں کا سلسلہ بھی دنیا میں جاری کیا، جو ہمارے پیغمبر محمد رسول اللہ ﷺ تک جاری رہا، اور اب آپ کے بعد کوئی دوسرا پیغمبر نہ آیا ہے، اور نہ قیامت تک آئے گا۔

ابراہیم کی نسل۔ آدم کی اولاد میں مشہور پیغمبر حضرت نوحؑ گذرے، نوح کی اولاد میں حضرت ابراہیمؑ سب سے بڑے پیغمبر ہوئے، یہ عراق کے ملک میں پیدا ہوئے اور وہیں بڑھے اور جوان ہوئے، اس وقت عراق کے لوگ جاند، سورج اور ستاروں کی پوجا کرتے تھے، حضرت ابراہیمؑ نے جب یہ دیکھا تو دل میں غور کیا کہ کیا یہ ستارے خدا ہو سکتے ہیں؟ لیکن جیسے ہی رات ختم ہو کر صبح کا ترکا ہونے لگا، ستارے جھلکانے لگے، اور جب سورج نکلا تو وہ بالکل نگاہوں سے اوجھل ہو گئے، یہ دیکھ کر وہ بکا ر اٹھے، کہ ایسی فانی ہستیاں تو میں دل نہیں لگاتا، پھر رات آئی اور چاند پر نظر پڑی، تو خیال کیا کہ شاید اس کی روشنی میں خدائی کا جلوہ ہو، لیکن جب وہ بھی ڈوب گیا، تو بول اٹھے کہ میرے پروردگار نے اگر مجھے راہ نہ دکھائی، تو مجھے سچائی کا راستہ کبھی نہ مل سکے گا، اب خیال ہوا کہ اچھا سورج کی روشنی تو سب سے بڑھ کر ہے، کیا یہ ہمارا دیوتا نہیں ہو سکتا، لیکن شام کی تاریکی نے اس بڑی روشنی کو بھی جب بجھا دیا، تب ان کے دل سے آواز آئی کہ میرے پروردگار کا نور تو وہ نور ہے جس کو اندھیرا نہیں، میں اسی خدا کو مانتا ہوں جس نے آسمان اور زمین اور ان کے ان جلووں کو پیدا کیا، پھر لوگوں سے پکار کر کہا کہ میں تمہارے مشرکانہ دین کو چھوڑتا ہوں، اور ہر طرف سے مڑ کر اس ایک خدا سے برحق کے آگے سر جھکاتا ہوں، خدا نے ان کو پیغمبر بنایا، اور آسمان اور زمین کی حقیقتوں کے دتر

ان کے سامنے کھول دیے، اور دنیا میں توحید کا پیغام منائے کہ میرے ان کچھ موسیٰ
 اخون نے عراق کے بادشاہ نرود اور اس کے دربار میں کوہ پیغام منایا، ان کے کانوں
 میں یہ بالکل نئی آواز تھی، اخون نے حضرت ابراہیم کو ڈرایا، دھمکا دیا، مگر وہ اپنی بات پر جیسے
 رہے، اور ایک دن موقع پا کر ان کے بت خانہ میں جا کر ان کی پتھروں کی مورتیوں
 کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا، یہ دیکھ کر بادشاہ نے ان کے لیے یہ سزا تجویز کی کہ وہ آگ کے الاء
 میں ڈال کر جلا دیے جائیں، یہ امتحان کا موقع تھا، مگر ان کی ثابت قدمی کا وہی حال
 رہا، اور صبران کا آگ میں پڑنا تھا کہ آگ بجھ کر ان کی جان کی سلامتی کا سامان بن گئی،
 اب حضرت ابراہیم نے یہاں سے شام اور مصر کے ملکوں کی طرف رخ کیا، اور وہاں
 کے بادشاہوں کو توحید (خدا کو ایک ماننا اور کہنا) کا وعظ سنایا، اور جب کہیں آوا
 نہسی گئی، تو عرب کے صوبہ حجاز میں چلے آئے،

اللہ نے حضرت ابراہیم کو دو بیٹے دیے، بڑے کا نام اسماعیل اور چھوٹے
 کا نام اسحاق رکھا، اسحاق کو شام کے ملک میں اور اسماعیل کو حجاز میں آباد کیا،
 کعبہ - حجاز کا ملک ان دونوں آباد تھا، مگر شام اور یمن کے ملک بہت
 آباد تھے، شام سے یمن کو، اور یمن سے شام کو جو بیوی باری اور سوداگر آتے جاتے وہ
 حجاز ہی کے راستہ سے آتے جاتے تھے، اس لیے حجاز میں آئے جانے والے عوام اگر وہاں
 کا اتنا لگا رہتا تھا، حضرت ابراہیم کو اللہ کا حکم ہوا کہ اسی حجاز کی زمین میں ایک مقام پر
 ہماری عبادت کرنے اور نماز پڑھنے کے لیے ایک گھر بناؤ، حضرت اسماعیل اور اسماعیل
 نے حج گزرا کے اس گھر کو بنا کر رکھ رکھا، اس گھر کا نام کعبہ اور بیت اللہ یعنی خدا کا گھر
 رکھا گیا،

اسماعیل کا گھرنا خدا نے اپنے اس گھر کو بزرگی بخشی اور حضرت ابراہیم کو حکم دیا کہ
اس گھر کی خدمت کے لیے اپنے لڑکے اسماعیل کو اس مقام پر آباد کر دے، حضرت ابراہیم نے ایسا ہی
کیا، حضرت اسماعیل کی اولاد بھی یہیں رہنے لگی اور اس مقام کا نام کر رکھا،

حضرت اسماعیل کا گھرنا اس شہر میں جس کا نام گمہ پڑا تھا، آباد رہا، اور خدا کا پیغام
بندوں کو سناتا، اور کعبہ میں خدا ہی کی عبادت کرتا رہا، سینکڑوں برس گزرنے کے بعد
یہ لوگ دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی ایسے خدا کو چھوڑ کر ٹی اور پتھر کی عجیب عجیب
شکلین بنانے اور کہنے لگے کہ یہی ہمارے خدا ہیں، یہی اور پتھر کی جن عجیب شکل
کو وہ خدا سمجھ کر پوجتے تھے، ان کو بت کہتے تھے، بتوں کو خدا سمجھنا، اور ان کو پوجنا اللہ
تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا کام ہے، اور جو لوگ خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے ہیں،
ان کو کافر کہتے ہیں،

قریش - اتنے دنوں میں اسماعیل کے گھرانے کے آدمی بہت سے خاندانوں
اور قبیلوں میں بٹ گئے تھے، ان میں ایک مشہور قبیلہ کا نام قریش تھا، یہ خاص مکہ میں
آباد اور کعبہ کا متولی (انتظام کرنے والا) تھا، دور دور سے کعبہ کے حج کے لیے جو لوگ
آتے، جن کو حاجی کہتے ہیں، ان کو ٹھہرانا، کھانا کھلانا، پانی پلانا، اور کعبہ شریف کے دوسرے
کاموں کی دیکھ بھال اسی قبیلہ کے ہاتھوں میں تھی، اسی لیے یہ قبیلہ سارے عرب میں عزت
کے ساتھ دیکھا جاتا تھا، اسی قبیلہ کے اکثر آدمی تجارت اور سوداگری کا پیشہ کرتے تھے،
بنی ہاشم - قریش کے قبیلہ میں بھی کئی بڑے بڑے خاندان تھے، ان میں سے
ایک بنی ہاشم تھے، یہ ہاشم کی اولاد تھے، ہاشم اس خاندان کے بڑے نامی گرامی شخص
تھے، حاجیوں کو دل کھول کر کھانا کھلاتے تھے اور پینے کے لیے چڑے کے حوضوں

مین پانی بھرواتے تھے، یہ ایک طرح سے مکہ کے امیر تھے، قریش کے لیے جو زیادہ تر تجارت اور سیوار سے روزی کھاتے تھے، انھوں نے یہ کہا کہ حبش کے بادشاہ نجاشی اور مصر اور شام کے بادشاہ قیصر سے فرمان لکھوایا کہ ان کے ملکوں میں قریش کے سوداگر بے رک ٹوک آجاسکیں، پھر عرب کے مختلف قبیلوں میں پھر پھر کر ان سے یہ عہد لیا کہ وہ قریش کے سوداگروں کے قافلہ کو نہیں لوٹیں گے، اور قریش کے سوداگر اس کے بدلہ میں دیکھیں گے کہ ہر قبیلہ کی ضرورت کی چیزیں لیکر خود اس کے پاس جاہیں گے۔

عبدالطلب۔ ہاشم نے اپنی شادی ثرب کے شہر میں بنو نجار کے خاندان میں کی، اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا اصلی نام تو شیبہ تھا، مگر شہرت عبدالطلب کے نام سے ہوئی،

عبدالطلب نے بھی جوان ہو کر بڑا نام پیدا کیا، کعبہ کا انتظام بھی ان کے سپرد ہوا کعبہ میں حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ کا ایک کنواں تھا جس کا نام زمزم تھا، یہ کنواں اتنے دھن سے پڑا پڑا پٹ گیا تھا، عبدالطلب نے اس کو صاف کر کے پھر درست کرایا، عبدالطلب کی اولاد عبدالطلب بڑے خوش نصیب تھے، عمر بھی بڑی پائی، دس جوان بیٹے تھے، ان میں پانچ کسی نہ کسی حیثیت سے بہت مشہور ہوئے، ابو لہب، ابو طالب، عبداللہ، حمزہ، عباسؓ،

عبداللہ۔ ان بیٹوں میں اپنے باپ کے سب سے چھوٹے اور پائے، عمر میں سب سے چھوٹے بیٹے عبداللہ تھے، یہ سترہ برس کے ہوئے تو بنی زہرہ نام قریش کے ایک دوسرے معزز خاندان کی لڑکی سے ان کی شادی ہوئی، ان بی بی کا نام آمنہؓ تھا، عبداللہ شادی کے بعد بہت کم جیے، چند ہی روز کے بعد وفات پا گئے،

ولادت۔ بعد اللہ کے مرنے کے چند مہینوں کے بعد بی بی آمنہ کے بچہ پیدا ہوا جس کا نام محمد رکھا گیا، یہی وہ بچہ ہے جو ہمارا رسول اور پیغمبر ہے، جس کے پیدا ہونے کی دعا حضرت ابراہیمؑ نے خدا سے مانگی تھی، اور حضرت عیسیٰؑ نے اپنے بعد اس کے آنے کی خوشخبری سب کو سنائی تھی، اور جو ساری دنیا کی قوموں کا رسول بننے والا تھا، پیدائش ۱۳ ربیع الاول کے مہینہ میں پیر کے دن حضرت عیسیٰؑ سے پانچ سو اگتر برس بعد ہوئی، سب گھروالوں کو اس بچہ کے پیدا ہونے سے بڑی خوشی ہوئی، پرورش۔ سب سے پہلے ہمارے رسول کو ان کی مان آمنہ نے دودھ پلایا، دو تین دن کے بعد ان کے چچا ابولہب کی ایک لونڈی ثویبہ نے آپ کو دودھ پلایا، اس زمانہ میں قاعدہ یہ تھا کہ عوب کے شریف گھرانوں کے بچے دیہات میں پرورش پاتے تھے دیہات سے عورتیں آئیں، شریفوں کے بچوں کو پالنے اور دودھ پلانے کیلئے اپنے ساتھ اپنے گھر کو لے جاتیں، ان ہی عورتوں میں سے ایک جن کا نام حلیمہ تھا، اور جو ہوازن کے قبیلہ بؤ سعد کے خاندان سے تھیں، مکہ آئیں، اور آپ کو پرورش کیلئے اپنے قبیلہ میں لے گئیں، چھ برس کے سن تک آپ حضرت حلیمہ کے پاس ہوازن کے قبیلہ میں پرورش پاتے رہے۔

بی بی آمنہ کے پاس۔ آپ چھ برس کے ہو چکے تو آپ کو آپ کی مان بی بی آمنہ نے اپنے پاس رکھ لیا، اوپر پڑھ آئے ہو کہ آپ کی پر وادی یرب کی رہنے والی، اور بخار کے خاندان سے تھیں، بی بی آمنہ آپ کو لے کر کسی سب سے مدینہ آئیں اور بخار کے خاندان میں ایک مہینہ تک رہیں،

بی بی آمنہ کی وفات۔ ایک مہینہ کے بعد جب یہاں سے واپس ہوئیں تو کچھ منزل چلکر بیمار ہوئیں اور ابواء کے مقام پر پہنچ کر وفات پا گئیں، اور یہیں دفن ہوئیں،

کیسا افسوسناک موقع تھا، سفر کی حالت تھی، ساتھ کوئی چھینٹا ملاوکار، دوسرا
 وغم گسار، ایک مان، وہ اس دنیا سے سدھارین، بی بی آمنہ کے ساتھ آگے دھنکا
 لوٹدی اُمّ النبیؐ تھیں، وہ حضرت کو اپنے ساتھ لے کر مکہ آئیں۔
 عبدالمطلب کی پرورش میں، اور مکہ اگر آپ کو آپ کے دادا عبدالمطلب
 کے سپرد کیا، دادا نے اپنے بن مان باپ کے یتیم پوتے کو سینہ سے لگایا، اور بڑی محبت
 اور پیار سے آپ کی پرورش شروع کی، محبت کے مارے ہمیشہ وہ آپ کو اپنے ساتھ
 رکھتے تھے، اور ہر طرح سے آپ کی خاطر کرتے تھے،

عبدالمطلب کی وفات۔ عبدالمطلب اب بہت بوڑھے ہو چکے تھے،
 بیاسی برس کی عمر تھی، اُن کو رہ رہ کر اپنے یتیم پوتے کا خیال آتا تھا، آخر اس کو اپنے
 سب سے ہونہار بیٹے ابوطالب کے سپرد کر کے وفات پائی، اور مکہ کے قبرستان
 میں جس کا نام حجون ہے، دفن ہوئے،

ابوطالب کی پرورش میں۔ چچا نے اپنے بھتیجے کو بڑے لاڈ اور پیار سے
 پالا، اپنے بچوں سے بڑھ کر ان کے آرام کا خیال کرتے، اور اُن کا ناز اٹھاتے، ابوطالب
 سوداگر تھے، ایک بار کا واقعہ ہے کہ وہ تجارت کا سامان لے کر شام کے ملک کو
 جا رہے تھے، حضرت نے بھی ساتھ چلنے کی خواہش کی، چچا اکلوتے بھتیجے کی خواہش
 کو رد نہ کر سکے، اور ساتھ لے چلے، پھر کسی وجہ سے راستہ ہی سے واپس کر دیا، جب
 آپ کی عمر بارہ برس کی ہوئی تو عرب بچوں کے دستور کے مطابق بکریاں چرانے لگے،
 عرب میں اس وقت لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، اس لیے آپ کو بھی
 لکھنے پڑھنے کی تعلیم نہیں دی گئی، البتہ اپنے چچا کے ساتھ مل کر کاموں کا تجربہ

سکھتے تھے، رفتہ رفتہ آپ جوانی کی عمر کو پہنچے،
 قیاری لڑائی میں شرکت عرب کے لوگ بڑے لڑاکے تھے، بات بات
 میں آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اگر کہیں کسی طرف سے کوئی آدمی مارا گیا، تو جب تک
 اس کا بدلہ نہیں لے لیتے تھے چن سے نہ بیٹھتے تھے، ایک دفعہ مکہ اور قنات عرب کے
 دو قبیلوں میں ایک گھوڑ دوڑ کے موقع پر لڑائی ہوئی تو وہ لڑائی پورے چالیس دن
 تک ہوتی رہی،

اسی قسم کی ایک لڑائی کا نام قیاری ہے، یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلوں میں
 ہوئی تھی، قریش کے سب خاندانوں نے اپنی اس قومی لڑائی میں شرکت کی تھی، ہر
 خاندان کا دستہ الگ الگ تھا، ہاشم کے خاندان کا جھنڈا عجد المطلب کے ایک بیٹے
 زبیر کے ہاتھ میں تھا، اسی صف میں ہمارے پیغمبر بھی تھے، آپ بڑے رحم دل تھے،
 لڑائی جھگڑے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے آپ نے کبھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھایا،
 مظلوموں کی حمایت کا معاہدہ۔ ان لڑائیوں کے سبب ملک میں بڑی
 بے چینی تھی، کسی کو چن سے بیٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا، نہ کسی کو اپنی اور اپنے عزیزوں کی
 جانوں کی خیر نظر آتی تھی، ان لڑائیوں میں لوگ بہت مارے جاتے تھے، اسیلئے خاندانوں
 میں بن باپ کے متم پکے بہت تھے، ان کا کوئی پوچھنے والا نہ تھا، ظالم لوگ ان کو ستاتے
 تھے، اور زبردستی ان کا مال کھا جاتے تھے، خاندان میں جو کمزور ہوتا، اس کا کہیں ٹھکانا
 نہ تھا، غریبوں پر ہر طرح کا ظلم ہوتا تھا، یہ حالت دیکھ کر آپ کا دل دکھتا تھا، اور سوچتے
 تھے کہ اس زور و ظلم کو کیسے روکین، کہ سب لوگ خوش خوش امن و امان
 سے رہیں،

عرب کے چند نیک مزاج لوگوں کو پہلے بھی یہ خیال ہوا تھا کہ اس کے لیے چند قبیلے مل کر آپس میں یہ عہد کریں کہ وہ سب مل کر مظلوموں کی مدد کریں گے، اس تجویز کے جو پہلے باقی تھے، ان کے ناموں میں اتفاق سے فضل کا لفظ تھا، جس کے معنی مہربانی کے ہیں، اس لیے ان کے آپس کے اس عہد کا نام "فضل والوں کا قول و قرار" رکھا گیا اور اس کو عربی میں حلف الفضول کہتے ہیں،

فجاری لڑائی جب ہو چکی تو آپ کے چچا زبیر بن عبد المطلب نے یہ تجویز پیش کی کہ اس قول و قرار کو جو پہلے کیا جا چکا تھا، اور جس کو لوگوں نے بھلا دیا تھا، پھر سے زندہ کیا جائے اس کے لیے ہاشم، زہرہ اور تیم کے خاندان، مکہ کے ایک نیک مزاج امیر آدمی کے گھر میں جس کا نام عبد اللہ بن جدعان تھا، جمع ہوئے، اور سب مل کر عہد کیا کہ ہم میں سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا، اور اب مکہ میں کوئی ظالم رہنے نہیں پائے گا، اس معاہدہ میں ہمارے رسول بھی شریک تھے، اور بعد کو فرمایا کرتے تھے کہ میں آج بھی اس معاہدہ پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں۔

کعبہ کی تعمیر۔ مکہ کا شہر اسی جگہ بنا ہے جس کے چاروں طرف پہاڑیاں ہیں، انہی کے بیچ میں کعبہ بنا ہے، جب زور کا مینہ پڑتا ہے، پہاڑیوں سے پانی بہہ کر شہر کی گلیوں میں بھر جاتا، اور گھروں میں گھس جاتا ہے، کعبہ کی دیواریں نیچی تھیں، اور اس پر چھت بھی نہ تھی، اس لیے بہت دفعہ ایسا ہوا کہ سیلاب سے کعبہ کی عمارت کو نقصان پہنچ جاتا، یہ دیکھ کر مکہ والوں کی رائے ہوئی کہ کعبہ کی عمارت پھر سے اونچی اور مضبوط کر کے بنائی جائے۔ اتفاق یہ کہ مکہ کے بندہ گاہ پر جس کا نام جدہ تھا، سو دو گروں کا ایک جہاد اکبر ٹوٹ گیا تھا، قریش کو خبر ملی تو ایک آدمی کو بھیج کر جہاز کے تختے مول لے لیے،

اب قریش کے سب خاندانوں نے مل کر کعبہ کے بنانے کا کام شروع کیا، کعبہ کی پرانی دیوار میں ایک کالا سا پتھر لگا تھا، اور اب بھی لگا ہے، اس کو اب بھی کالا پتھر ہی کہتے ہیں، اسی کا نام عربی میں "حجر اسود" ہے، یہ پتھر عرب کے لوگوں میں بڑا متبرک سمجھا جاتا تھا، اور اسلام میں بھی اس کو متبرک مانا جاتا ہے، خانہ کعبہ کے چاروں طرف پتھر کرتے وقت ہر پتھر اسی کے پاس سے شروع کیا جاتا ہے،

جب قریش نے اس دفعہ دیوار کو وہاں تک اونچا کر لیا، جہاں یہ پتھر لگا تھا، تو ہر خاندان نے یہی جاپا کہ اس مقدس پتھر کو ہم ہی اکیلے اٹھا کر اس کی جگہ پر رکھیں، نوبت یہاں تک پہنچی کہ تلواریں پھینک گئیں، جب جھگڑا کسی طرح طے نہیں ہوا تو قریش کے ایک سبک بوڑھے آدمی نے یہ رائے دی کہ کل صبح سویرے جو شخص سب سے پہلے کعبہ میں آئے، وہی اپنی رائے سے اس جھگڑے کا فیصلہ کر دے، اور اس کا جو فیصلہ ہو، اس کو سب لوگ دل سے مان لیں، سب اس رائے کو پسند کیا، اب اللہ کا نام دیکھو کہ صبح سویرے جو سب سے پہلے پہنچا، وہ ہمارے رسول تھے، آپ کو دیکھ کر سب خوش ہو گئے، آپ نے یہ کیا کہ ایک چادر منگوا کر اس میں پتھر رکھا، اور ہر قبیلہ کے سردار کو کہا کہ وہ اس چادر کے ایک ایک کونے کو تھام لیں، اور اوپر کو اٹھائیں، جب پتھر چادر سمیت اپنی جگہ پر آگیا تو آپ نے اپنے مہاراجہ ہاتھوں سے اس کو اٹھا کر اسکی جگہ پر رکھ دیا، اور اس طرح عرب کی یہ ایک بڑی بڑی ٹرائی ہمارے رسول کی تدبیر سے رک گئی،

سوداگری کا کام۔ قریش کے شریفوں کا سب سے باعزت پیشہ سوداگری اور تجارت تھا جب ہمارے رسول کا روبرو سامنے آنے کے لائق ہوئے تو اسی پیشہ کو اختیار فرمایا

آپ کی نیکی، سچائی، اور اچھے برتاؤ کی شہرت تھی، اس لیے اس پیشہ میں کامیابی کی راہ آپ کے لیے بہت جلد کھل گئی، ہر معاملہ میں سچا وعدہ فرماتے، اور جو وعدہ فرماتے اس کو پورا ہی کرتے، آپ کی تجارت کے ایک ساتھی عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار میں نے آپ سے اس زمانہ میں خرید و فروخت کا ایک معاملہ کیا، بات کچھ طے ہو چکی تھی کچھ ادھوری رہ گئی تھی، میں نے وعدہ کیا کہ پھر آکر بات پوری کر لیتا ہوں، یہ کہہ کر چلا گیا، تین دن کے بعد مجھے اپنا یہ وعدہ یاد آیا، دوڑ کر آیا تو دیکھا آپ اسی جگہ بیٹھے میرے آنے کا انتظار کر رہے ہیں، اور جب آیا تو آپ کی پیشانی پر میری اس حرکت سے بل تک نہیں آیا، نرمی کے ساتھ اتنا ہی فرمایا کہ تم نے مجھے بڑی رحمت دی، تین دن سے میں بیٹھا تھا معاملہ انتظار کر رہا ہوں،

تجارت کے کاروبار میں آپ اپنا معاملہ ہمیشہ صاف رکھتے تھے، سائب نام آپ کے ایک ساتھی کہتے ہیں کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ میری تجارت میں شریک تھے، مگر ہمیشہ معاملہ صاف رکھا، نہ کبھی جھگڑا کرتے، نہ لپ پوت کرتے تھے، آپ کے کاروبار کے ایک اور ساتھی کا نام ابو بکر تھا، وہ بھی مکہ ہی میں قریش کے ایک سوداگر تھے، وہ کبھی کبھی سفر میں آپ کے ساتھ رہتے تھے،

قریش کے لوگ ہمارے حضرت کی خوش معاملگی، دیانت داری اور ایماندار ہونے پر اتنا بھروسہ کرتے تھے کہ بے تامل اپنا سرمایہ آپ کے سپرد کر دیتے تھے، بہت سے لوگ اپنا روپیہ پیسہ آپ کے پاس امانت رکھواتے تھے، اور آپ کو امین یعنی امانت والا کہتے تھے۔ تجارتی سفر قریش کے سوداگر اکثر شام اور بن کے ملکوں میں سفر کر کے تجارت کا مال بیچا کرتے تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی تجارت کا سامان

لے کر انہی ملکوں کا سفر کیا،
حضرت خدیجہؓ کی شرکت عرب میں تجارت کا ایک قاعدہ یہ تھا کہ امیر
 لوگ جن کے پاس دولت ہوتی تھی، وہ روپیہ دیتے تھے، اور دوسرے محنتی لوگ جنکو
 تجارت کا سلیقہ ہوتا تھا، اس روپیہ کو لے کر تجارت میں لگاتے تھے، اور اس سے
 جو فائدہ ہوتا تھا، اُس کو دونوں آپس میں بانٹ لیتے تھے، حضرت ﷺ
 نے بھی اسی طریقہ پر تجارت کا کام شروع کیا تھا،

قریش میں خدیجہ نام کی ایک دولت مند بی بی تھیں، ان کے پہلے شوہر مر گئے تھے،
 اور اب بیوہ تھیں، وہ اپنا سامان دوسروں کو دے کر ادھر ادھر بھاگتی تھیں،
 انھوں نے ہمارے حضرت ﷺ کی ایمانداری اور سچائی کی تعریف سنی تو
 آپ کو بلوا کر کہا کہ آپ میرا سامان لے کر تجارت کیجیے، میں جتنا نفع دوسروں کو دیتی
 ہوں، اس سے زیادہ آپ کو دیوں گی، آپ راضی ہو گئے، اور ان کا سامان لے کر
 شام کے ملک کو گئے، بی بی خدیجہ نے اپنے غلام مسیرہ کو بھی آپ کے ساتھ کر دیا، اس
 تجارت میں خاصہ نفع ہوا، واپس آئے تو بی بی خدیجہ آپ کے کام سے بہت خوش ہوئیں،
 بی بی خدیجہ سے نکاح۔ اس سفر سے واپس آئے تین مہینے گزرے تھے کہ
 بی بی خدیجہ نے آپ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا، اس وقت آپ کی عمر پچیس برس کی
 اور بی بی خدیجہ کی چالیس برس کی تھی، پھر بھی آپ نے خوشی سے اس پیغام کو قبول کر لیا،
 اور چند روز کے بعد نہایت سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ یہ تقریب انجام پائی، آپ کے
 چچا ابوطالب اور حمزہ اور خاندان کے دوسرے بڑے دہن کے مکان پر گئے، ابوطالب
 نے نکاح کا خطبہ پڑھا، اور پانسو درہم مہر قرار پایا،

اب دونوں میان بیوی مہنسی خوشی رہنے لگے، تجارت کا کام اسی طرح چلتا رہا،
اور آپ عرب کے مختلف شہروں میں آتے جاتے رہے، اور آپ کی نیکی، سچائی
اور اچھے اخلاق کا ہر طرف جبر جاتا تھا،

شکر اور برائی کی باتوں سے بچنا۔ محمد (اللہ کا درود ان پر ہو) دنیا
میں اس لیے پیدا کیے گئے تھے کہ وہ اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیام سنائیں
ان کو برائی، اور بدی کی باتوں سے بچائیں، اچھی اور نیک باتیں بتائیں
تو جس کے پیدا کرنے سے اللہ کی غرض یہ ہو، ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو
کتنی اچھی باتیں دی ہوں گی، اور اس کی خصلتیں کتنی اچھی بنائی ہوں گی،
حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) بچپن ہی سے بہت نیک، اچھے اور ہر برائی
سے پاک تھے، بچپن میں بچوں کی طرح کے چھوٹے اور بے کار کھیل کود سے
پاک رہے، اور جوان ہو کر بھی جوانی کی ہر برائی اور ہر بدی سے پاک رہے جب
کبھی کوئی معمولی بات بھی ایسی ہوتی، جو نبی، رسول اور اللہ کے قاصد کی شان کے
مناسب نہ ہوتی، تو آپ کو اللہ اُس سے صاف بچا لیتا،

بچپن کا قصہ ہے کہ کعبہ کی دیوار درست ہو رہی تھی، بچے اپنے اپنے تہنہ
اتار کر کندھوں پر رکھ کر پتھر لادتے تھے، آپ کے بھی اپنے چپا کے کھنکھ سے ایسا کرنا
چاہا، تو غیرت کے اسے بیہوش ہو کر گر پڑے، شروع جوانی میں ایک جگہ دوستوں
کی بے تکلف مجلس تھی، جس میں لوگ فضول قصہ کہانی میں رات گزارتے،
آپ نے بھی اُن کے ساتھ وہاں جانا چاہا، مگر آپ کو راہ میں ایسی نیند آگئی کہ
صبح ہی کو جا کر آنکھیں کھلیں،

قریش کے سب ہی لوگ اپنے دادا ابراہیم (علیہ السلام) کا دین بھلا چکے
 تھے، اور اللہ کو چھوڑ کر مٹی اور پتھر کی شکلیں بنا کر ان مورتیوں کو پوجتے تھے،
 کچھ لوگ سورج اور دوسرے ستاروں کی پوجا کرتے تھے، مگر حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)
 نے جب سے ہوش سنبھالا، ان باتوں سے برابر بچتے رہے،



رسول ہوتے ہیں

اب حضور ﷺ اللہ کا درود اور سلام ان پر ہو، چالیس برس کی عمر کو پہنچ گئے تھے، یہ وہ زمانہ ہوتا ہے، جب آدمی کی سمجھ بوجھ پوری اور عقل پختہ ہو جاتی ہے، شروع جوانی کی خواہشیں مری ہوئی ہیں، دنیا کا اچھا برا تجربہ ہو چکا ہوتا ہے، یہی عمر اس کے لیے مناسب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنا رسول اور قاصد بنا لے، اور جابلون کے سکھانے اور نادانوں کے بتانے کے لیے اس کو ان کا استاد مقرر فرمائے، اللہ اپنے رسولوں کو فرشتوں کے ذریعہ سے اپنی باتوں سے آگاہ فرماتا ہے، اور اپنا کلام ان کو سناتا ہے، وہ رسول فرشتہ سے خدا کا کلام سن کر خدا کے بند بن کر وہی سناتے ہیں اللہ کے جو نیک بندے رسول کے منہ سے خدا کا کلام سن کر خدا کی بات مانتے اور اس کے حکم پر چلتے ہیں، وہ مسلمان کہلاتے ہیں، اللہ ان سے خوش ہوتا ہے، پیار کرتا ہے، اور جب تک وہ جیتے ہیں اللہ ان کو ہر طرح کا انعام دیتا ہی اور ان پر اپنی برکت اتارتا ہے، اور جب وہ مر جاتے ہیں، تو ان کی روح کو آرام اور چین نصیب کرتا ہے، اور قیامت کے بعد جب پھر سب لوگ جی اٹھیں گے، تو نیک لوگوں کو اللہ وہاں ہر طرح کی خوشی نصیب کرے گا، وہ بادشاہوں کی طرح ہر طرح کا آرام اور چین پائیں گے، یہ بادشاہوں سے بڑھ کر آرام اور چین جان

ملے گا، اس کا نام بہشت ہے اور اسی کو جنت بھی کہتے ہیں،
 اور جو لوگ اُس رسول کی بات کو نہیں مانتے، اور خدا کے کلام کو نہیں سنتے
 اور اس کے حکموں پر نہیں چلتے وہ اس دنیا میں بھی دل کا چین اور روح کا آرام نہیں
 پاتے، اور مرنے کے بعد خدا کی خوشنودی سے محروم رہتے ہیں، اور قیامت کے بعد وہ کچھ
 دور اور سزا پائیں گے، کہ وہی تکلیف کبھی نہیں اٹھائی ہوگی، اور وہ مقام جہان
 اُن کو یہ سزا ملے گی، وہ دوزخ ہے جس کو جہنم بھی کہتے ہیں،

جس اللہ نے اپنے بندوں کے لیے زمین اور آسمان بنایا، طرح طرح کے پھل
 میوے اور پھل پیدا کیے، پہننے کو رنگ رنگ کے کپڑے بنائے، زمین میں قسم قسم کے
 سبزے اور پھول اگائے، جس نے انسان کے چند روزہ آرام کے لیے یہ سب کچھ بنایا کیا
 اُس نے اُن کے ہمیشہ کے آرام کا سامان نہ کیا ہوگا، جس طرح اس دنیا کے قاعدے
 قانون بنانے اور سکھانے کے لیے استاد، طبیب اور ڈاکٹر بنائے ہیں، اسی طرح اس دنیا
 کے قاعدے اور قانون بتانے کے لیے رسول اور پیغمبر بنائے، اور جس طرح اس دنیا
 کے استادوں اور ڈاکٹروں کا کہنا اگر ہم نہ مانیں، تو ہم کو دنیا میں اپنی نادانی اور جہالت
 سے بڑی تکلیفیں اٹھانی پڑیں، اسی طرح اگر ہم نادانی اور جہالت سے رسولوں اور
 پیغمبروں کا کہنا نہ مانیں، تو اس دنیا میں ہم بڑی تکلیفیں اٹھائیں گے،

اللہ کے سارے احسانوں میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اُس نے ہم کو اپنی
 باتوں کے سمجھانے اور نیکی کا راستہ دکھانے کے لیے اپنے رسول بھیجے،
 آدمؑ کے وقت سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں خدا کے
 رسول آتے رہے، سب سے پہلے سب رسولوں کے رسول حضرت محمدؐ اللہ کا دروڑ

ان پر ہو) کو بھیجا، آپ کے بعد پھر کوئی دوسرا رسول آئے والا نہیں، کیونکہ خدا کی بات پوری ہو چکی، اور خدا کا پیام ہر جگہ پہنچ چکا،

وحی ہمارے رسول کو چالیس برس کی عمر میں جب اللہ نے رسول بنانا چاہا، اس سے پہلے آپ کو اکیلے رہنا بہت پسند تھا، کئی کئی روز کا کھانا لے لیتے، اور مگر کے قریب ایک پہاڑ کے غار میں جس کا نام حرا تھا، چلے جاتے، اور اللہ کی باتوں پر غور کرتے دنیا کی گمراہی، عرب کے لوگوں کی یہ بُری حالت دیکھ کر آپ کا دل دکھتا تھا، آپ اس غار میں دن رات خدا کی عبادت اور سوچ میں پڑے رہتے تھے، ایک دن ایسا ہوا کہ اللہ کے حکم سے اللہ کا وہ فرشتہ جو اللہ کا کلام اور پیام لے کر رسولوں کے پاس آتا ہے، اور جس کا نام جبریل ہے، نظر آیا، اس فرشتہ نے خدا کا بھیجا ہوا سب سے پہلا پیغام حکم وحی کہتے ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ کو سنایا، خدا کی بھیجی ہوئی پہلی وحی یہ تھی:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي	اپنے اُس خدا کا نام لیکر پڑھ جن نے
خَاقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ	کائنات کو پیدا کیا، جس نے انسان کو
عَلَقٍ ۝ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ	جھے ہوئے خون سے بنایا، پڑھ تیرا
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ	خدا تیرا ہی کریم ہے جس نے قلم کے
الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝	ذریعہ علم کو سکھایا، انسان کو وہ بتایا
(علق)	جو وہ نہیں جانتا تھا،

یہ ہمارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر پہلی وحی آئی، اس وحی کا آنا تھا، کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اپنی امت کی تعلیم کا بڑا بوجھ ڈال دیا گیا، ماوانون کو بتانا، انجانوں کو سکھانا، اندھیرے میں چلنے والوں کو روشنی دکھانا،

اور بتوں کے پیار یوں کو خدا کے پاک نام سے آشنا کرتا، آپ کا کام ٹھہرایا گیا، آپ کا دل اس بوجھ کے ڈر سے کانپ گیا، اسی حالت میں آپ گھر واپس آئے، اور اپنی بی بی حضرت خدیجہؓ سے سارا واقعہ بیان کیا، حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسلی دی، اور کہا کہ آپ غریبوں پر رحم فرماتے ہیں، بے کسوں کی مدد کرتے ہیں، اور جو قرضوں کے بوجھ کے نیچے دبے ہیں ان کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ایسے آدمیوں کو یوں نہ چھوڑے گا، پھر آپ کو اپنے چھیرے بھائی ورقہ بن نوفل کے ہاں لے گئیں، ورقہ عیسائی ہو گئے تھے، اور عبرانی زبان جانتے تھے، اور حضرت موسیٰؑ کی کتاب توراۃ، اور حضرت عیسیٰؑ کی کتاب انجیل پڑھے ہوئے تھے، انھوں نے خدا کے رسول (ان پر درود ہو) سے یہ سارا سنا تو کہا کہ یہ وہی خدا کا فرشتہ ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا، اسے کاش میں اس وقت طاقتور اور تندرست ہوتا، جب تمھاری قوم تم کو تمھارے گھر سے نکالے گی، آپ نے پوچھا کیا ایسا ہوگا؟ ورقہ نے کہا کہ جو پیغام لے کر آپ آئے ہیں، اس کو لے کر آپ کے پہلے جو بھی آیا، اس کی قوم نے اس کے ساتھ ہی کیا، اتفاق یہ کہ اس کے کچھ ہی روز کے بعد ورقہ نے انتقال کیا،

ابھی آپ نے اپنا کام شروع ہی کیا تھا، کہ اللہ کا حکم آیا:

یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ	اے چادر میں پیٹے ہوئے! کھڑا ہونا
وَأَنذِرْ بَلَدًا قَلِيلًا	پھر ڈر سنا، اور اپنے رب کی بڑائی بول
وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ	اور اپنے کپڑے پاک رکھ اور گندگی

کو چھوڑ دے،

(مذثر)

اسی وحی کے آنے کے بعد آپ پر فرض ہو گیا کہ خدا پر بھروسہ کر کے کھڑے ہو جائیں!

اور لوگوں کو خدا کی باتیں سنائیں، رب کی بڑائی بولیں، اور ناپاکی اور گندگی کی باتوں سے بچیں، اور بچائیں،

اسلام جس تعلیم کو لے کر ہمارے حضور بھیجے گئے، اس کا نام اسلام تھا، اسلام کے معنی یہ ہیں کہ اپنے کو خدا کے سپرد کرویں، اور اس کے حکم کے سامنے اپنی گردن جھکا دیں، اس اسلام کو جو مان لیتا تھا، اُس کو مسلم کہتے تھے، یعنی خدا کے حکم کو ماننے والا، اور اس کے مطابق چلنے والا، اور اب ہم اسی کو اپنی زبان میں مسلمان کہتے ہیں،

توحید اسلام کا سب سے پہلا حکم یہ تھا کہ اللہ ایک ہے، اس کی خدائی میں کوئی اس کا ساتھی اور اور سا بھی نہیں، زمین سے آسمان تک اسی ایک کی سلطنت ہے، سورج اسی کے حکم سے نکلتا ہے اور ڈوبتا ہے، آسمان اسی کے فرمان کے تابع اور زمین اس کے اشارہ کی پابند ہے، پھل، پھول، درخت، اناج، سب اسی کے اگائے ہیں، دریا، پہاڑ، جنگل، سب اسی نے بنائے ہیں، نہ اس کے کوئی اولاد ہے، نہ بیوی، نہ مان باپ ہے، نہ اس کا کوئی ہمسر اور مقابل ہے، دکھا، دو، اور رنج و غم سب وہی دیتا ہے، اور وہی دور کرتا ہے، ہر خیر اور خوشی اور نعمت وہی دیتا ہے، وہی چھین سکتا ہے،

اسلام کے اس عقیدہ کا نام توحید ہے، اور یہی اسلام کے کلمہ کا پہلا جز ہے، لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ یعنی اللہ کے سوا کوئی پوجنے کے قابل نہیں، اور نہ اس کے سوا کسی اور کا حکم چلتا ہے،

فرشتے اللہ نے زمین اور آسمان کے کاموں کو وقت پر قاعدے سے انجام دینے کے لیے بہت سی ایسی مخلوقات بنائی ہیں، جو ہم کو نظر نہیں آتیں، یہ فرشتے ہیں، جو رات دن اللہ کے حکموں کو بجالانے میں لگے رہتے ہیں، ان میں خود کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں ہے،

جو کچھ ہے، وہ اللہ کے فرمانے سے ہے یہ اسلام کے عقیدے کا دوسرا جزو ہے،
 رسول تیسرا یہ ہے کہ اللہ کے جتنے رسول آئے ہیں، وہ سب سچے اور خدا کے
 بھیجے ہوئے ہیں، اور سب کی تعلیم ایک ہی تھی، سب کے پیچھے دنیا کے آخری رسول ہمارے
 پیغمبر محمد رسول اللہ (ﷺ) آئے ہیں،

کتاب چوتھا یہ ہے کہ رسولوں کی معرفت اللہ کی جو کتابیں تورات، انجیل،
 زبور، قرآن وغیرہ آئی ہیں، وہ سب سچی ہیں،

مرنے کے بعد پھر جلیلا پانچواں یہ ہے کہ مرنے کے بعد ہم پھر قیامت میں جی
 اٹھیں گے، اور خدا کے سامنے حاضر کیے جائیں گے، اور وہ ہم کو ہمارے کاموں
 کا بدلہ دے گا،

ایمان ہی پانچ باتیں اسلام کا اصلی عقیدہ ہیں، جن کو ہر مسلمان یقین کرتا ہے،
 انہی باتوں کو مختصر کر کے ان دو فقروں میں ادا کیا جاتا ہے، اور جن کے زبان سے کہنے
 اور دل سے یقین کرنے کو "ایمان" کہتے ہیں،

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
 (خدا ہے برحق کے سوا کوئی اللہ نہیں اور محمد خدا کے بھیجے ہوئے رسول ہیں)

محمد رسول اللہ (ﷺ) کو انہی باتوں کے پھیلانے اور لوگوں کو
 سمجھانے کا حکم ہوا،

پہلے مسلمان ہونے والے عرب کے لوگ پرلے درجہ کے جاہل نادان اور
 خدا کے دین سے بے خبر ہو گئے تھے، اور شرک اور کفر میں ایسے پھنسے تھے کہ ان کی برائی،
 وہ سن بھی نہیں سکتے تھے، سچائی کی یہ آواز جس کے کانوں میں سب سے پہلے پڑی

وہ حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیوی خدیجہؓ ہیں، رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب ان کے سامنے خدا کی تعلیم کو پیش کیا، تو وہ سننے کے ساتھ مسلمان ہو گئیں، آپ کے مرد ساتھیوں میں ابوبکر نام قریش کے ایک مشہور سوداگر تھے، ہمارے رسول نے جب ان کو خدا کا پیام سنایا، تو وہ بھی فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے، اور اس وقت سے برابر آپ کے ہر کام میں آپ کے ساتھ ساتھ رہنے لگے، آپ کے پیارے چچا ابوطالب کے کمن بیٹے کا نام علی تھا، یہ ہمارے رسول کی گود میں پلے تھے، اور آپ ہی کیساتھ ساتھ رہتے تھے وہ بچپن ہی سے مسلمان تھے، آپ کے ایک چھوٹے خادم کا نام زید بن حارثہ تھا، انھوں نے بھی اسلام کا کلمہ پڑھ لیا، اور مسلمان ہو گئے، اس کے بعد آپ نے اور حضرت ابوبکرؓ نے مل کر چکے قریش کے ایسے لوگوں کو جو طبیعت کے نیک اور سمجھ کے اچھے تھے، اسلام کی باتیں سمجھانی شروع کیں، بڑے بڑے نامی لوگوں میں سے بائخ آدمی حضرت ابوبکرؓ کے سمجھانے سے مسلمان ہوئے ان کے نام یہ ہیں، حضرت عثمان بن عفان، حضرت زبیر، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہ، پھر یہ چرچا چکے ہی چکے اور لوگوں کے کانوں تک بھی پہنچا، اور مکہ میں مسلمانوں کا شمار روز بروز بڑھنے لگا، ان میں چند غلام بھی تھے، جن کے نام یہ ہیں :-

حضرت بلالؓ، حضرت عمار بن یاسر، حضرت جناب بن اُرت، اور حضرت صہیبؓ، قریش کے چند نیک مزاج نوجوان بھی پہلے اسلام لائے، جیسے حضرت ارقمؓ، سعد بن زید، عبد اللہ بن مسعود، عثمان بن مظعون، عبیدہ رضی اللہ عنہم، اب رقتہ رقتہ یہ اثر مکہ کے باہر بھی پھیلنے لگا، اور قریش کے سرداروں کو بھی اس نئی تعلیم کا سن گُن لگنے لگا، ایک تو جہالت، دوسرے باپ دادوں کے سد

کی الفت، دونوں ایسی چیزیں تھیں کہ قریش کے سرداروں کو اس نئے مذہب بڑا غصہ آیا، جو لوگ مسلمان ہو چکے تھے، ان کو طرح طرح سے ستانے لگے، مسلمان پہاڑوں کے دروں اور غاروں میں جا جا کر چھپ کر نماز پڑھتے تھے، اور اللہ کا نام لیتے تھے، ایک مرتبہ خود اللہ کے رسولؐ اپنے چہرے بھائی، حضرت علیؑ کو ساتھ لے کر کسی درہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ آپؐ کے چچا ابوطالبؓ آنکھلے، ان کو یہ نئی چیز معلوم ہوئی، بھیتجے سی پوچھا یہ کیا دین ہے؟ فرمایا یہ ہمارے دادا ابراہیمؑ کا دین ہے، ابوطالب نے کہا، تم شوق سے اس دین پر قائم رہو، میرے ہوتے تمہارا کوئی کچھ نہیں کر سکتا، تین برس تک آپؐ یوں ہی چھپ چھپ کر اور چپکے چپکے بتوں کے خلاف وعظ کرتے رہے، اور لوگوں کو صحیح دین کا سبق پڑھاتے رہے، جو نیک اور سمجھدار ہوتے، قبول کر لیتے، اور جو ناسمجھ اور ہٹ دھرم ہوتے، وہ نہ مانتے، بلکہ اسٹے دشمن ہو جاتے،

نثار
اس زمانہ میں کعبہ کے پاس ایک گلی تھی جس میں ایک بڑے سچے اور جان مسلمان ارقمؓ کا گھر تھا، یہ گھر اسلام کا پہلا مدرسہ تھا، آپؐ اکثر یہاں تشریف رکھتے تھے، اور مسلمانوں سے ملتے، اور ان کو خدا کی یاد اور نصیحت کی اچھی اچھی باتیں سناتے اور ان کے ایمان کو مضبوط بناتے، جو لوگ اس دین کا شوق رکھتے، وہ یہیں آکر خدا کے رسولؐ سے ملتے، اور مسلمان ہوتے،

پہلی عام منادی تین برس کے بعد خدا نے آپؐ کو حکم دیا کہ اب علانیہ خدا کا نام بلند کرو، اور زبرد ہو کر بت پرستی کی مخالفت کرو، اور ہمارے بندوں کو نیکی اور نصیحت کی باتیں سناؤ، اتفاق کی بات دیکھو کہ اس وقت جس نے سب سے زیادہ آپؐ

کا ساتھ دیا، اور آپ کی حمایت کا بیڑا اٹھایا، وہ بھی آپ کے چچا تھے، جن کا نام ابو طالب تھا، بڑھ چکے ہو کہ وہ آپ کو کتنا پیار کرتے تھے، اس طرح جس نے سب سے زیادہ آپ کی مخالفت کی، اور آپ کی دشمنی میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی، وہ بھی آپ ہی کے ایک چچا تھے، جن کا نام ابو لہب تھا، ابو لہب کے علاوہ آپ کے دین کا سب سے بڑا دشمن ابو ہمل نکلا، جو قریش کا ایک سردار اور بڑا دولت مند تھا، قریش کے سرداروں کا کہنا یہ تھا کہ اگر خدا کو اپنا قاصد اور الٰہی بنا کر کسی کو بھیجا ہی تھا، تو مکہ یا طائف کے کسی دولت مند رئیس کو بنا کر بھیجتا، ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ خدا کے دربار میں دولت اور ریاست کی نہیں بلکہ نیکی اور اچھائی کی قدر ہے، اس نے دنیا بانی سے پہلے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ قریش کے گھرانے میں عبد اللہ کے یتیم بیٹے محمد کو اپنا آخری رسول بنا کر بھیجے گا، چنانچہ اس نے بھیجا، اور وہ اب ظاہر ہوا۔

ہمارے رسول (ﷺ) کو جب دین کی کھلم کھلا منادی کا حکم ہوا تو آپ نے مکہ کی ایک پہاڑی پر جس کا نام صفا تھا، کھڑے ہو کر قریش کو آواز دی، عرب کے دستور کے مطابق اس آواز کو سن کر قبیلہ کے سارے آدمیوں کا جمع ہو جانا ضروری تھا، اس لیے مکہ کے بڑے بڑے سردار اس پہاڑی کے نیچے آکر جمع ہوئے آپ نے ان سے پوچھا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑی کے پیچھے تھا ہے دشمنوں کا ایک لشکر آ رہا ہے، تو کیا تم کو اس کا یقین آئے گا، سب نے کہا، ہاں بیشک، کیونکہ ہم نے تم کو ہمیشہ سچ بولتے دیکھا ہے، آپ نے فرمایا تو میں یہ کہتا ہوں کہ اگر تم نے خدا کا پیغام نہیں مانا تو تمہاری قوم پر ایک بہت بڑی آفت آئے گی، یہ سن کر ابو لہب نے کہا کیا تم نے ہی سنانے کے لیے ہم کو بیان بلایا تھا، یہ کہہ اٹھا اور چلا گیا۔

قریش کے دوسرے سردار بھی تھا ہو کر چلے گئے۔

عام تبلیغ^۱ لیکن ہمارے رسولؐ نے ان سرداروں کی خفگی کی پروانہ کی اور بت کی برائی کھلم کھلا بیان کرتے رہے، اور خدا کی کیتائی، عبادت اور اچھے اخلاق اور قیامت کا وعظ فرماتے رہے، جن کے دل اچھے تھے، وہ آپؐ کی بات قبول کرتے جاتے تھے، لیکن جو دل کے نیک نہ تھے، وہ شرارت پر اتر آئے، اور آپؐ کو طرح طرح سے تنائے لگو، راستہ میں کانٹے ڈال دیتے، آپؐ نماز پڑھنے کھڑے ہوتے تو چھڑتے، کعبہ کا طواف کرنے جاتے تو آوازے کستے، لوگوں میں آپؐ کو شاعر، جادوگر، پاگل وغیرہ مشہور کرتے اور جو نیا آدمی آتا، اس کو پہلے ہی جا کر کہہ آتے کہ ہمارے یہاں ایک شخص اپنے باپ دادوں کے دین سے پھر گیا ہے، اس کے پاس نہ جانا۔

آپؐ ان کی یہ تمام سختیاں جھیلے تھے، اور اپنا کام کیسے جاتے تھے، قریش نے دیکھا کہ یہ کسی طرح باز نہیں آتا تو ایک دن وہ اکٹھے ہو کر آپؐ کے چچا ابوطالب کے پاس گئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے بتوں کو برا بھلا کہتا ہے، ہمارے باپ دادوں کو گمراہ بتاتا ہے، ہم کو نادان ٹھہراتا ہے، اب یا تو بیچ سے ہٹ جاؤ، یا تم بھی میدان میں آ جاؤ کہ ہم دونوں میں سے ایک کا فیصلہ ہو جائے، ابوطالب نے دیکھا کہ وقت اب نازک ہے، حضرت کو بلا کر کہا کہ مجھ بوڑھے پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ اٹھا نہ سکوں، ظاہر میں حضرت کو اگر کسی کی مدد کا سہارا تھا، تو یہی چاہتے تھے، ان کی یہ بات سن کر آپؐ آنکھوں میں آنسو بھر لائے، پھر فرمایا، چچا جان! خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر سوچ اور دوسرے ہاتھ پر چاند کھدیں، تب بھی میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا، آپؐ کی یہ مضبوطی اور بکا راؤ^۲ نے دین پھیلانے کی کوشش،

دیکھ کر اور آپ کی اس اثر سے بھری ہوئی بات کو سن کر ابوطالب پر بڑا اثر ہوا، آپ نے کہا: بھتیجے جاؤ اپنا کام کئے جاؤ، یہ تمہارا کچھ بھی نہیں کر سکتے،

چچا کا یہ جواب سن کر دل میں ڈھارس بندھی، اور اپنا کام اور تیزی گزرا شروع کیا، اکثر قبیلے کے اکا دکا آدمی مسلمان ہونے لگے تھے، قریش کے سرداروں نے دیکھا کہ وہمکی سے کام نہ چلا، اب ذرا پھسلا کر کام چلا ہیں، سب نے مشورہ کر کے عتبہ نامی قریش کے ایک سردار کو سمجھا بھجا کر آپ کے پاس بھیجا، اُس نے آپ کے پاس پہنچ کر یہ کہا: اے محمد! قوم میں بھوٹ ڈالنے سے کیا فائدہ؟ اگر تم مکہ کی سرداری چاہتے ہو تو وہ عطا ہے، اگر کسی بڑے گھرانے میں شادی چاہتے ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے، اگر دولت چاہتے ہو تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں، مگر تم اس کام سے باز آؤ۔

عتبہ کو خیال تھا کہ ہم جو چال چلے ہیں، اس کی کامیابی میں شک ہی نہیں، محمد ان تین باتوں میں سے کسی ایک کے لالچ میں آکر ضرور ہی ہم سے صلح کر لیں گے، لیکن آپ کی زبان سے اس نے وہ جواب سنا جس کی ذرا بھی امید اس کی نہ تھی، آپ نے قرآن پاک کی چند آیتیں اس کو سنائیں ان آیتوں کا سننا تھا کہ اس کا دل ہل گیا، واپس آیا تو قریش نے دیکھا کہ اس کے چہرے کا رنگ فق ہے، عتبہ نے کہا، بھائیو! محمد جو کلام پڑھتے ہیں، وہ نہ شاعری ہے، نہ جاوہ گری ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آگئے تو یہ ہماری ہی عزت ہے، ورنہ عرب کے لوگ خود ان کا خاتمہ کر دیں گے لیکن قریش نے اس کی بات نہ مانی اور اپنی ضد پر برابر اڑے رہے،

اب آپ کا یہ کام تھا کہ ایک ایک آدمی کے پاس جاتے اور اس کو سمجھاتے

کوئی مان لیتا کوئی چپ رہتا، کوئی جھڑک دیتا، اس حالت میں جو لوگ آپ پر ایمان لائے، اور مسلمان ہوئے، ان کی بڑی تعریف ہے، اور ان میں سے بعض بعض کے مسلمان ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے،

حضرت حمزہ کا مسلمان ہونا حضرت حمزہؓ آپ کے چچا تھے، عمر میں کچھ ہی بڑے تھے، ایک رشتہ سے آپ کی خالہ کے بیٹے تھے، اور دودھ شریک بھائی بھی تھے، اس لیے وہ آپ سے بڑی محبت کرتے تھے، آدمی بڑے پہلوان تھے، زیادہ وقت سیر و شکار میں خرچ کرتے تھے، ابوہل کا حال تو معلوم ہے کہ وہ آپ کو کس طرح ستاتا تھا، ایک دن کا واقعہ ہے کہ ابوہل نے اپنے معمول کے مطابق آپ کو بہت کچھ برا بھلا کہا، ایک لونڈی کھڑی یہ باتیں سن رہی تھی، شام کو جب حمزہ شکار سے واپس آ رہے تھے، اس لونڈی نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا، ان سے دہرا دیا، حمزہ یہ سن کر غصہ سے لال ہو گئے، اور اسی حالت میں کعبہ کے صحن میں جہان قریش کے بڑے بڑے لوگ اپنے جلسے جا کر بیٹھے تھے، آئے، اور ابوہل کے پاس آکر کمان اس کے سر پر ماری، اور کہا لو میں مسلمان ہو گیا ہوں، تمھارا جو جی جا ہے، میرے ساتھ کر لو، یہ کہہ کر گھر چلے آئے، اب وہ دن آیا کہ اسلام کے چرگے میں قریش کا ایک بڑا پہلوان شریک ہو گیا،

حضرت عمرؓ کا مسلمان ہونا خطاب کے بیٹے عمر قریش کے ایک غلام کے نوجوان تھے، مزاج میں سختی تھی، جو بات کرتے تھے، سختی سے کرتے تھے، یہ بھی اس وقت اسلام کے بڑے دشمن تھے، مسلمانوں کو چھیڑا اور ستایا کرتے تھے، خدا کا ایسا کرنا ہوا کہ ایک دن کسی تہانہ میں پڑے سو رہے تھے کہ تہانہ کے اندر سے

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی آواز سنی، گھبرا کر اٹھ بیٹھے، اور اب وہ اس آواز کی سچائی پر کبھی کبھی غور کرنے لگے، حضورؐ راتوں کو جب قرآن پڑھتے، تو یہ دوسروں سے چھپکر کھڑے ہو کر سنتے لگے، ایک رات کو آپؐ نماز میں قرآن کی ایک سورت پڑھ رہے تھے، عمر ایک ایک آیت سن رہے تھے، اور اثر لے رہے تھے، لیکن چونکہ مزاج کے پنجمہ اور طبیعت کے مستقل تھے، وہ اس اثر کو دفع کرتے رہے،

اس سے پہلے عمر کی بہن فاطمہؓ اور بہنوئی سعد بن زید مسلمان ہو چکے تھے، عمرؓ کو پتہ چلا تو دونوں کو رسیوں سے جکڑ کر باندھ دیا، مشہور یہ ہے کہ ایک دفعہ عمرؓ کے دل میں آیا کہ چل کر محمد رسول اللہ ﷺ ہی کا سر قلم کیوں نہ کر دین کہ روز کا جھگڑا ختم ہو جائے، یہ ارادہ کر کے وہ تلوار لگا کر گھر سے نکلے راہ میں ایک مسلمان سے اُن کی ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا کہ عمرؓ! کدھر کا قصد ہے، انھوں نے کہا، جاتا ہوں کہ محمدؐ کا کام آج تمام کر دوں، اس نے کہا، پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی تو خبر لو، اس طعن سے وہ بے تاب ہو گئے، پلٹ کر اپنی بہن کے گھر کا راستہ لیا، پہنچے تو قرآن پڑھنے کی آواز سنی، غصہ سے بے قابو ہو کر بہن اور بہنوئی کو جی کھول کر مارا، مگر دیکھا تو ان کو توحید کا نشہ اسی طرح تھا، ان کے دل پر اس کا بڑا اثر ہوا، کہا کہ اچھا سورۃ تم پڑھ رہے تھے، وہ مجھے بھی دکھاؤ، انھوں نے وہ ورق لا کر ہاتھ پر رکھ دیا، عمرؓ جیسے جیسے اس کو پڑھتے جاتے تھے، ان کا دل کانپتا جاتا تھا، آخر چلا آئے،

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

یہ وہ زمانہ تھا، جب آپؐ ارقمؓ کے گھر میں تھے، حضرت عمرؓ سیدے وہاں پہنچے، کوڑ بند تھے، آواز دی، جو مسلمان وہاں تھے، حضرت عمرؓ کو تلوار لیے دیکھ کر ڈر سکے

حضرت حمزہؓ نے کہا کہ آنے دو، اگر وہ خلوص کے ساتھ آیا ہے تو بہتر ہے، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دیا جائے گا، دروازہ کھلا، اور حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا، تو رسول خدا (ﷺ) خود آگے بڑھے، اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا، کیوں کس ارادے سے آئے ہو، عرض کی ایمان لانے کے لیے، یہ سن کر مسلمانوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں،

کافروں کو جب حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے سب طرف سے حضرت عمرؓ کے مکان پر زحف کیا، لیکن عاص بن وائل کے سمجھانے سے وہ واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی، اب تک مسلمان کافروں کے ڈر سے کعبہ میں جا کر نماز نہیں پڑھتے تھے، حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو سب مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے، اور پڑ کر کعبہ کے صحن میں جا کر نماز پڑھی،

ابوذر غفاریؓ کا مسلمان ہونا رسول (ﷺ) کے مسلمان ساتھیوں کو صحابہ کہتے ہیں، اسلام جیسے جیسے پھیلتا جاتا تھا، صحابیوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی، یہاں تک کہ مکہ کے باہر بھی وہ پہنچ گئے، مکہ سے کچھ دور پر غفار کا قبیلہ رہتا تھا، اس میں ابوذرؓ اور انیسؓ دو بھائی تھے، ابوذرؓ کو جب یہ معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک رسول پیدا ہوا ہے، جس کا دعویٰ یہ ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خدا کا پیام آتا ہے، تو انھوں نے اپنے بھائی انیسؓ کو بھیجا کہ جا کر اس رسول کا حال دریافت کریں، اور اس کی باتیں سنیں، انیسؓ مکہ آئے، اور واپس جا کر اپنے بھائی سے کہا کہ وہ اخلاق کی اچھی اچھی باتیں لوگوں کو بتاتا ہے، اور جو

کلام وہ پیش کرتا ہے، وہ شعر نہیں، یہ سن کر ابو ذر کا شوق اور بڑھا، اور وہ خود سوار
 ہو کر مکہ آئے، اور کعبہ میں داخل ہوئے کہ خدا کے اس رسول کا پتہ لگائیں، کسی سے پوچھنا
 مشکل تھا، رات ہو گئی اور وہ لیٹ گئے، حضرت علیؓ کا ادھر سے گزر ہوا، تو وہ یہ سمجھے
 کہ یہ کوئی پردیسی ہے، حضرت علیؓ نے ان کی طرف دیکھا وہ پیچھے ہو لیے، راستہ میں ایک
 نے دوسرے سے بات نہ کی، رات بھر وہ ان کے گھر رہے، صبح ہوئی تو وہ پھر کعبہ
 چلے آئے، اور دن بھر یوں ہی پڑے رہے، رات ہوئی تو پھر وہیں لیٹ رہے،
 حضرت علیؓ اب پھر ادھر سے گزرے، تو دیکھا کہ وہی پردیسی ہے، ان کو اٹھا کر اپنے
 گھر لائے، اور کوئی بات چیت نہیں ہوئی، رات گزار کر ابو ذر پھر کعبہ میں پہنچے،
 اسی طرح دن گزرے، رات آئی تو چاہا یہیں لیٹ رہیں کہ پھر حضرت علیؓ رضی کا
 گزر ہوا، اور ان کو ساتھ لے کر چلے، راستہ میں پوچھا کہ تم کدھر آئے ہو؟ انھوں نے
 جو ماجرا تھا بیان کیا، فرمایا، ہاں سچ ہے، خدا کے وہ رسول ہیں، اچھا صبح کو میرے
 ساتھ چلنا، صبح ہوئی تو وہ ان کو لے کر خدا کے رسول کے ہاں چلے، جب وہاں
 پہنچے، اور آپ کی باتیں سنیں، تو دل کی بات زبان پر آ گئی، کلمہ پڑھا، مسلمان ہو گئے،
 حضرت نے فرمایا اس وقت اپنے گھر چلے جاؤ، انھوں نے کہا نہیں خدا کی قسم میں اس
 کلمہ کو ان کافروں کے سامنے پیچ کر کہوں گا، یہ کہہ کر وہ کعبہ میں آئے اور بڑے زور
 سے پیچ کر پکارے، اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ
 کو اسی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، کافروں
 نے یہ آواز سنی تو ہر طرف سے اُن پر ٹوٹ پڑے، اور سب مل کر بری طرح ان کو مار مار کر
 عباس آپ کے چچا دوڑ کر آئے، اور ان کو بچایا، اور قریش سے کہا تم کو معلوم نہیں کہ

یہ غفار کے قبیلہ کا آدمی ہے، اور تمھاری تجارت کا راستہ ادھر ہی سے گذرتا ہے
تب قریش نے بڑی مشکل سے ان کو چھوڑا، دوسرے دن پھر وہ کعبہ میں آئے اور اسی
طرح زور سے چلا کر اسلام کا کلمہ پڑھا، کافر پھر دوڑے، اور ان کو مارنے لگے، اور پھر
حضرت عباسؓ نے آکر ان کو چھڑایا، یہ تھا صحابہؓ کے اسلام کا نشہ جو اتارے نہ اترتا تھا،
غریب مسلمانوں کا شنایا جانا قریش نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کی تعداد
روز بروز بڑھتی جاتی ہے، اور یہ سیلابِ رو کے نہیں رکتا، تو انھوں نے زور اور ظلم
کرنے کی ٹھان لی، جس غریب مسلمان پر جس کافر کا بس چلا، اس کو طرح طرح سے ستا
لگا، دوپہر کو عرب کی ریگستانی اور پتھریلی زمین بید گرم ہو جاتی ہے، اس وقت وہ بے
یار و مددگار مسلمانوں کو پکڑ کر اس تیز و صوب میں اسی گرم زمین پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری
پتھر رکھ دیتے، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کر کے اس سے داغتے، یہ وہ
سزائیں تھیں، جو بلالؓ اور صہیبؓ دو مسلمان غلاموں کو دی جاتی تھیں۔

اس سے بھی تسکین نہ ہوتی، تو حضرت بلالؓ کے گلے میں رسی باندھتے، اور لونڈوں
کے حوالے کرتے، اور وہ ان کو گلیوں میں گھسیٹتے پھرتے، لیکن ان کا یہ حال تھا کہ
اس حالت میں بھی زبان پر **أَحَدٌ أَحَدٌ** ہوتا، یعنی وہ خدا ایک ہی وہ خدا ایک
صہیبؓ بھی غلام تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، ان کو پکڑ کر اتنا مارتے تھے کہ ان کے
ہوش و حواس جاتے رہتے تھے۔

حبابؓ بن ارت بھی پرانے مسلمانوں میں تھے، ان کو طرح طرح کی تکلیفیں
دی گئیں، یہاں تک کہ ایک دن گرم کوئلوں پر ان کو حبس لٹایا گیا، اور اس وقت
تک نہ چھوڑا گیا جب تک کہ کوئلے ٹھنڈے نہ ہو گئے،

یاسر اور ان کے بیٹے عمار اور بیوی سمیہ یہ تینوں مکہ کے غریبوں میں تھے، اور اسلام لانے والوں میں بہت پہلے ہیں، یاسر تو کافروں کے ہاتھوں سے تکلیفیں اٹھاتے مری گئے، سمیہ کو ابو جہل نے ایسی برچی ماری کہ وہ جان بچی ہو گئیں، عمار کو پتی ہوئی زمین پر لٹا کر اتنا مارتے کہ وہ ہوش ہو جاتے، زبیرؓ ایک مسلمان باندی تھیں، ابو جہل نے ان کو اتنا مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں، اور دوسرے غریب مسلمانوں اور نو مسلم غلاموں اور کنیزوں کو ایسی ہی سزائیں دی جاتیں، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ، عامرؓ، لہیعہؓ، زبیرہؓ، ہندیہؓ اور ام عیسیٰؓ وغیرہ مسلمان غلاموں اور باندیوں کو ان کے ظالم اور بے رحم مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا،

یہ تو غریب مسلمانوں کا حال تھا، جو عزت اور دولت والے تھے، وہ اپنے بزرگ رشتہ داروں کے پیچھے تھے، حضرت عثمانؓ جب مسلمان ہوئے، تو ان کے چھانے ان کو درسی میں باندھ کر مارا، حضرت سعد بن زید اور ان کی بیوی فاطمہ کو جو حضرت عمرؓ کی بہن تھیں، حضرت عمرؓ سے جکڑ دیتے تھے، حضرت زبیر مسلمان ہونے کے چچا ان کو چٹائی میں پیسٹ کر ان کی ناک میں دھواں دیتے تھے، عبداللہ بن مسعود مسلمان ہوئے تو کعبہ میں جا کر سورہ رحمان پڑھنا شروع کیا، کافر ہر طرف سے ان پر ٹوٹ پڑے اور بری طرح مارا،

مسلمان اس بے کسی میں کیا کرتے، اگر حضرت رسول اللہ ﷺ کے کافروں کی شکایت کرتے، اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ ﷺ عا کیجیے کہ مسلمانوں کو امن ملے، آپ ان کو تسلی دلا سادیتے، اور اگلے پیغمبروں کا حال مناتے، اور انھیں نے حق کی راہ میں جو تکلیفیں اٹھائیں ان کو بیان کرتے، اور فرماتے کہ حق کا آفتاب

زیادہ دیر بادل میں چھپا نہیں رہ سکتا، ایک زمانہ آئے گا جب خدا تم کو غلبہ دے گا،
تم سے پہلے کسی پیغمبر کو آئے سے چیر دیا گیا، کسی کا گوشت لوہے کی کنگھی سے چھیل
دیا گیا، مگر انھوں نے حق کو نہیں چھوڑا،

عجش کی ہجرت ایک شہر سے دوسرے شہر کو چلے جانے کو ہجرت کہتے
ہیں، بڑے چکے ہو کر عرب کا ملک سمندر کا کنارہ ہے، اور حجاز میں سمندر کے کنارہ ہے اسکا
نام بحر احمر ہے، بحر احمر کے اس کنارہ اور فقیہین عجش کا ملک ہے، وہاں کا عیسائی بادشاہ
بہت نیک تھا، مسلمانوں کی تکلیفیں جب بہت بڑھ گئیں، تو نبوت کے پانچویں سال حضرت
رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت سے گیارہ مرد اور چار عورتیں کشتی میں بٹھکر
عجش کو روانہ ہو گئے،

عجش کے بادشاہ کو نجاشی کہتے ہیں، نجاشی نے ان مسلمانوں کو اپنے ہاں بڑے
امن و امان میں رکھا، قریش کو جب اس کی خبر ہوئی، تو انھوں نے نجاشی کے پاس اپنے
دو سفیر بھیجے کہ یہ ہمارے مجرم ہیں، ان کو ہمارے حوالہ کر دیجیے، بادشاہ نے مسلمانوں
کو بلا کر حال پوچھا، حضرت علیؑ کے بھائی حضرت جعفر نے مسلمانوں کی طرف سے
یہ تقریر کی:-

اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاری
کرتے تھے، پڑوسیوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زور آور کمزوروں
کو کھا جاتا تھا، اتنے میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا، جس کی بزرگی، سچائی، اور ایماندارگی
سے ہم واقف تھے، اس نے ہم کو سچے دین کی دعوت دی، اور بتایا کہ ہم بتوں کا
پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، ظلم سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کو

آرام دین، پاک و امن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روئے کھالیں
خیرات دین ہم نے اس شخص کو خدا کا پیغمبر مانا، اور اس کی باتوں پر عمل کیا، اس جرم
پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم اس کو
چھوڑ کر اسی پہلی گمراہی میں رہیں۔“

نجاشی نے کہا تمہارے پیغمبر پر جو کلام اترا ہے، کہیں سے پڑھو، حضرت جعفر نے
سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھیں، نجاشی پر ان کا یہ اثر ہوا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری
ہو گئے، پھر کہا، خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں، یہ کہہ کر قریش کے
آدمیوں سے کہا کہ تم واپس جاؤ، میں ان مطالبوں کو واپس نہ دوں گا،

مسلمانوں نے جب نجاشی کی یہ مہربانی دیکھی تو بعد کو اور بھی بہت سے مسلمان چھپ
چھپ کر حبش کو روانہ ہو گئے، یہاں تک کہ ان کی تعداد وہاں کم و بیش تراسی ہو گئی،
ابوطالب کی گھائی (شعب) میں نظر بندی قریش نے دیکھا کہ یہ بدیر بھی

کارگر نہ ہوئی، اس لیے قریش کے سب خاندانوں نے مل کر نبوت کے ساتویں سال یہ
معاہدہ کیا کہ کوئی شخص پیغمبر خدا کے خاندان سے جس کا نام بنو ہاشم تھا، کوئی تعلق نہ رکھے گا
نہ ان سے کوئی شادی بیاہ کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان کو کھانے
پینے کا کوئی سامان دے گا، یا یہ کہ وہ محمد کو ہمارے حوالہ کر دیں، یہ معاہدہ لکھ کر کعبہ کے دروازے
پر لٹکا دیا گیا، ابوطالب خاندان کے سب لوگوں کو لے کر ایک درہ میں چلے گئے جو
شعب ابوطالب کہلاتا ہے، یہیں دوسرے مسلمانوں نے بھی آکر مہمانی، اور بہت
تکلیف کے ساتھ یہاں رہنے لگے، پٹیان کھا کر سیر کرتے، سوکھا چمڑا ملتا تو اس کو
بھون کر کھاتے، بچے بھوک سے بندھتے تھے، حضرت کے کھانے کے لیے بلال بن

کچھ چھپا کر کہیں سے کبھی بھی لے آتے تھے، کافر مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ کر خوش ہوتے تھے،
 تین سال اسی طرح گزر گئے، آخر خود ان ظالموں میں سے کچھ کو رحم آیا، اور انھوں نے
 اس ظالمانہ معاہدہ کو توڑ ڈالا،

ابوطالب اور خدیجہ کی وفات اب وہ درہ سے نکل کر اپنے گھروں
 میں آئے، کچھ ہی دن گزرے تھے کہ

آپ کے پیارے چچا ابوطالب نے وفات پائی، ابھی اس غم کو چند ہی روز ہوئے تھے،
 کہ حضرت کی غم گسار بیوی حضرت خدیجہ نے بھی انتقال کیا، یہ زمانہ آپ پر بہت سخت
 گذرا، آپ کے ہی دو مونس اور غم گسار تھے، دو دنوں ایک ہی سال آگے پیچھے چل پے،
 آپ پر مصیبتیں قریش کے ظالموں کو ابوطالب کے رعب و اب اوچھڑا
 خدیجہ کے غاٹے سے اب تک خود رسول اللہ ﷺ پر ہاتھ اٹھانے کی ہمت
 نہیں ہوئی تھی، ان دونوں کے اٹھ جانے پر میدان خالی ہو گیا، اب وہ خود حضور ﷺ
 کے ساتھ بے ادبی سے پیش آنے لگے، ایک دفعہ آپ کہیں جا رہے تھے کہ کسی ظالم نے مہربار
 پر خاک ڈال دی، آپ اُسی طرح گھرائے، آپ کی صاحبزادی پانی لے کر آئیں، سر کو دھوئی
 جاتی تھیں، اور باپ کی یہ صورت دیکھ کر روتی جاتی تھیں، آپ نے فرمایا: باپ کی جان!
 روؤ نہیں، خدا تیرے باپ کو یون نہ چھوڑے گا،

ایک دفعہ آپ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے، قریش کے سردار حلبہ حبائے
 بیٹھے تھے، نماز پڑھتے دیکھ کر کہنے لگے کہ کوئی اونٹ کی اوچھڑی لا کر اس کی گردن پر رکھ دے
 چنانچہ ایک شہر پر یہ کام کیا، اس بوجھ سے آپ کی پیٹھ دب گئی، کسی نے حضرت کی
 صاحبزادی حضرت فاطمہ سے جا کر اس کی خبر دی، وہ آئیں تو کسی طرح اس کی گزر گئی کہ

ہٹا کر دور کیا،

ایک دفعہ ایک شہر میں آپ کی گردن میں چادر کا..... پھندا ڈال کر جا ہوا
 گلا گھونٹ دے، حضرت ابو بکرؓ نے دوڑ کر آپ کو بچا لیا، اور اس سے کہا کہ کیا ایک
 شخص کی جان صرف اتنی بات پر لینا چاہتے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا پروردگار اللہ ہے،
 طائف کا سفر مکہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر طائف کا سرحد اور شاداب
 شہر تھا، آپ نے مکہ کے لوگوں کی یہ حالت دیکھ کر یہ طے کیا کہ طائف جائیں، اور وہاں
 کے رئیسوں کو اسلام کا پیام سنائیں، آپ زید بن حارثہؓ کو ساتھ لے کر طائف گئے، اور
 وہاں کے رئیسوں کو دین حق کی دعوت دی، مگر افسوس کہ ان میں سے ایک نے بھی
 اس کو قبول نہیں کیا، اور اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ بازار کے شہر یون کو ابھار دیا کہ وہ
 آپ کو دقت کریں، وہ راستہ کے دونوں طرف کھڑے ہو گئے، اور جب آپ اُدھر سے
 گزرنے لگے، تو آپ کے پاؤں پر پتھر برسائے، جس سے آپ کے پاؤں ہولناں ہو گئے
 آپ درد کے مارے کہیں بیٹھ جاتے، تو وہ بازو تھام کر اٹھا دیتے، شہر پر پتھر مارتے،
 اور گالیاں دیتے، آپ تھک کر پھر بیٹھ جاتے، آخر آپ نے ایک بار غین پناہ لی، یہ
 کیسی بے کسی کا وقت تھا، اس وقت خدا کا ایک فرشتہ آپ کو نظر آیا، جس نے آپ کو
 خدا کا پیغام سنایا کہ یا رسول اللہ اگر آپ کہیں تو طائف والوں پر ان ہاڑوں کو
 دے مارا جائے کہ وہ کھل کر رہ جائیں، آپ نے امت پر مہربان ہو کر عرض کی کہ
 "خدا یا ایسا نہ کر، شاید کہ ان کی نسل سے کوئی تیرا ماننے والا پیدا ہو"

قبیلوں میں دورہ طائف کے ناکام سفر نے آپ کے مضبوط ارادہ

پر کوئی اثر نہیں کیا، اب آپ نے قصد کیا کہ ایک ایک قبیلہ میں پھر خدا کا پیغام سنائیں

کے لیے مکہ میں حج کا قدتی موقع موجود تھا، اس زمانہ میں عرب کے گوشہ گوشہ سے
 آتے، اور کئی کئی دن ٹھہرتے، مکہ کے آس پاس میلے بھی لگتے تھے، اور یہاں بھی
 یوں کا جاما ہوتا تھا، آنحضرت ﷺ ان مجموعہ میں ایک ایک قبیلہ
 پر پھر ہر کر وعظ کہنا، اور قرآن کی آیتیں سنانی شروع کیں، اس کا یہ اثر ہوا کہ پورے
 عرب میں اسلام کی آواز پھیل گئی،

اوس اور خزرج میں اسلام انہی قبیلوں میں شریکے رہنے والے
 مشہور قبیلے بھی تھے جن کے نام اوس اور خزرج ہیں، یہ قبیلے اس شہر میں مدت
 سے رہتے تھے، اور کاشتکاری کرتے تھے، ان کے آس پاس یہودی آباد تھے، جو
 دواگر اور ہماجن تھے، لوگوں کو سود اور سپداوار پر قرض دیتے تھے، اور بڑی سختی سے
 وصول کرتے تھے، یہ قبیلے آپس میں لڑتے رہتے تھے، اور ان پر یہ سرمایہ والے یہودی
 دیا ایک طرح کی حکومت کرتے تھے، غرض یہ دونوں قبیلے کچھ تو آپس میں لڑ لڑ کر اور
 لچے یہودیوں کے پنجہ میں پھنس کر تباہ ہو گئے تھے،

یہودی آسمانی کتابوں میں ایک پیغمبر کے آنے کی خبر تھی، اور یہودی اکثر محفلوں
 میں اس کے پیدا ہونے کی گفتگو رہا کرتی تھی، یہ آوازیں اوس اور خزرج کے کانوں
 میں بھی نہا کرتی تھیں نبوت کے دسویں سال حبيب کے مہینہ میں ان دونوں قبیلوں
 کے کچھ لوگ مکہ آئے، آپ عقبہ کے مقام پر ان سے ملے، اور ان کو خدا کا کلام سنایا
 ان لوگوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر کہا یہ تو وہی پیغمبر معلوم ہوتا ہے کہیں
 ایسا نہ ہو کہ یہود ہم سے بازی لے جائیں، یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام
 قبول کیا، یہ چھ آدمی تھے،

دوسرے سال تیرب سے بارہ آدمی آکر مسلمان ہوئے، انھوں نے
خوابش کی کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا آدمی بھیجا جائے، جو ہم کو اسلام کی باتیں سکھا
اور ہمارے شہر میں جا کر وعظ کئے، آپ نے اس کام کے لیے مصعب بن عمیر کو چنا،
یہ عبد مناف کے پوتے، اور پرانے مسلمانوں میں تھے، یہ ان لوگوں کے ساتھ تیرب
آئے، اور یہاں آکر لوگوں کے گھروں میں پھر پھر اسلام کا وعظ کہنا شروع کیا، اس
وعظ کے اثر سے لوگ مسلمان ہوتے گئے، اور ایک سال کے اندر اندر اس شہر کے
اکثر گھرانے مسلمان ہو گئے،

عصی کی موت۔ اگلے سال جب حج کا زمانہ آیا، تو تیرب سے بہتر آدمی
آنحضرت (ﷺ) سے ملنے آئے، اور چھپ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس وقت
آپ کے ساتھ آپ کے چچا عباس بھی تھے، جو گویا بھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، مگر آپ سے
بہت محبت رکھتے تھے، انھوں نے ان لوگوں سے کہا کہ محمد (ﷺ) اپنے خاندان میں
بڑی عزت رکھتے ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے رہے، اب یہ بھائی پنا
جانا چاہتے ہیں، اگر تم مرتے دم تک ان کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دینا، تیرب
کے ایک سردار برادر نے کہا کہ ہم لوگ تلواروں کے گود میں پے ہیں، وہ اسی قدر کہنے پائے تھے
کہ دوسرے سردار ابو اسیم نے کہا یا رسول اللہ! ہم سے اور یہودیوں سے تعلقات ہیں، یہ
کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے، ایسا نہ ہو کہ جب اسلام کو قوت اور طاقت حاصل ہو جائے
ہم کو چھوڑ کر چلے جائیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا تمہارا خون میرا خون جو تم سے ہو اور میں تمہارا ہوں۔
اس کے بعد آپ نے ان میں بارہ نقیب سردار چنے، ان کے نام خود انہی لوگوں نے چن کر
بتائے تھے، ان بارہ میں سے نو خیزرج کے اور تین اوسس کے تھے،

ہجرت

مدینہ اور انصار

• یثرب میں مسلمانوں کو امن کی زندگی مل گئی تھی اس لیے حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کے مسلمانوں کو اجازت دی کہ وہ اپنا دیس چھوڑ کر شہر یثرب کو چلے جائیں، مسلمانوں نے آمہستہ آمہستہ اب یثرب کو ہجرت کرنی شروع کی، آخرین خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی مکہ چھوڑ کر ہجرت کرنی چاہی، قریش کے لوگوں کو بھی اس کی خبر مل چکی تھی، انھوں نے آپس میں مل کر یہ طے کیا کہ رات کو ہر قبیلہ کا ایک ایک آدمی جمع ہوا اور سب ملکر ایک ساتھ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سوتے ہوئے قتل کر دیں، خدا نے آپ کو ان کے ہن مشورہ کی خبر کر دی،

مکہ والوں کو حضرت کے مذہب سے گوسخت مخالفت تھی، مگر پھر بھی سب کو آپ کی دیانت اور امانت پر بڑا بھروسہ تھا، چنانچہ بہت سے لوگوں کی امانتیں آپ کے پاس تھیں، آپ نے یہ امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں، اور فرمایا کہ آج رات تم میرے بستر پر

۱۔ پہلے پڑھ چکے ہو اپنے دیس کو چھوڑ کر دوسرے دیس میں جا کر بسنے کو ہجرت کہتے ہیں،
۲۔ انصار ناصری جمع ہے، اس کے معنی مددگار کے ہیں، مدینہ کے جن مسلمانوں نے حضرت کا ساتھ دیا وہ انصار کہلاتے ہیں، آگے آئے ہیں۔

آرام کرنا، اور صبح لوگوں کو ان کی یہ امانتیں دے کر تم بھی چلے آنا، اس حکم کے مطابق
 علیؑ نے رات کو آنحضرت ﷺ کے بستر پر آرام کیا، قریش کے لوگ صبح کو
 گھر کو گھیرے پڑے رہے، صبح سویرے یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ محمدؐ کے بستر پر محمدؐ کے
 علی بن ابی طالب ہیں،

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ میں ہجرت کا مشورہ پہلے ہی ہو
 تھا، دونوں اپنے گھروں سے نکل کر مکہ کے پاس ہی توڑنام ایک پہاڑ کے غار میں جا کر
 گئے، صبح کو کافروں نے آپؐ کی کھوج شروع کی، اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس غار
 منہ تک آ گئے، حضرت ابوبکرؓ گھبرا کر بولے، یا رسول اللہ! دشمن اتنے قریب آ گئے ہیں
 اگر وہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں گے، لیکن حضور ﷺ نے
 طمینان کا وہی حال تھا، فرمایا "گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے"

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ تین دن تک اسی غار میں
 حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہؓ رات کو آ کر مکہ والوں کے حالات اور مشوروں کی خبر
 کرتے تھے، کچھ رات گئے حضرت ابوبکرؓ کا غلام چپکے سے یہاں کمریاں لے آتا، آپؐ
 حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے،

چوتھے دن آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ غار سے نکلے، ایک رات دن برابر چلتے
 چلتے رہے، دوسرے دن دوپہر کو ایک چٹان کے نیچے سایہ میں دم لیا، ایک چھوٹی سی
 چارباتھا، ابوبکرؓ اس سے دودھ لے کر آپؐ کے پاس آئے، آپؐ نے پی لیا، اور
 کو بڑھے، قریش نے اشتهار دیا تھا کہ جو محمدؐ ﷺ یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر لے
 اس کو سزاؤنٹ انعام میں دیے جائیں گے، سراقہ بن حشم نے جو مکہ کا ایک غریب

سپاہی تھا، یہ اشتہار سنا تو انعام کے لالچ میں ہتھیار سج کر گھوڑے پر سوار نکلا، اور ٹھیک
 اُس وقت اس چٹان کے پاس پہنچا، جب آپ وہاں سے روانہ ہو رہے تھے، اس نے
 آپ کو دیکھ لیا، اور چاما کہ گھوڑا دوڑا کر نزدیک پہنچ جائے، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی
 اور گر پڑا، ترکش سے تیر لٹکا کر عرب کے دستور کے مطابق ذال نکالی، جواب "نہیں" میں
 آیا، مگر وہ نہ مانا، دوبارہ گھوڑا دوڑایا، اب گھوڑے کے پاؤں گھٹنوں تک زمین
 میں دھنس گئے، تب وہ ڈرا، اور سمجھا کہ یہ ماجرا کچھ اور ہے، حضرت سے عرض کی
 اے رسول! میں بخشا جائے، حضور نے اس کی درخواست قبول فرمائی،
 مدینہ مدینہ عربی میں شہر کو کہتے ہیں، حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شرب شریف
 لے آنے کے بعد شرب کا نام "مدینہ النبی" نبی کا مدینہ یعنی شہر مشہور ہوا اور اس وقت سے اس
 کا نام مدینہ ہو گیا،

مدینہ کے لوگوں کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد کی خبر ہو چکی تھی، اور سب
 پر انتظار کا عالم تھا، بچے تک خوشی اور خوش میں نکلی کوچوں میں کہتے پھرتے تھے کہ ہمارے پیغمبر آکر
 ہیں، جھوٹی جھوٹی لڑکیاں چھتوں پر چڑھ کر آپ کے آنے کی خوشی میں گیت گاتی تھیں
 نوجوان ہتھیار سج سج کر شہر سے باہر نکل جاتے تھے، اور بیرون آپ کی آمد کا انتظار
 کرتے تھے، ایک دن وہ انتظار کر کے واپس پھرے ہی تھے کہ ایک یہودی نے ایک
 مختصر سا قافلہ آتے دیکھ کر بکارا، اے لوگو! تم جس کا انتظار کرتے تھے، وہ آگیا، اس
 آواز کو پہنتے ہی سارا شہر تبکیر کے نعرہ سے گونج اٹھا، اور مسلمان ہتھیار لگا کر باہر نکلیں
 آئے، یہ ربیع الاول کی آٹھویں تاریخ اور نبوت کا تیر ہواں سال تھا،
 جس میں تیر رکھتے ہیں،

پہلی مسجد مدینہ سے تین میل باہر کچھ اونچائی پر پہلے سے ایک چھوٹی سی آباد تھی، جس کو عالیہ اور قبا کہتے ہیں، یہاں مسلمانوں کے کئی معزز گھرانے رہتے تھے۔ کلتوم بن ہرم ان کے سردار تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے ہمان ہوئے اور چودہ دن ان کے ہمان رہے، حضرت علی رضی بھی پہنچ چکے تھے، اور وہ بھی یہیں ٹھہرے، یہاں کے قیام کے زمانہ میں حضور نے خود اپنے ہاتھ سے ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد ڈالی تھی جس کا نام "قبا کی مسجد" ہے،

پہلا جمعہ چودہ دن کے بعد آپ نے شہر مدینہ کا رخ کیا، یہ جمعہ کا دن راہ میں بنی سالم کے محلہ میں نماز کا وقت آگیا، یہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی امت میں جمعہ کی پہلی نماز تھی، نماز سے پہلے خطبہ پڑھا، یہ خطبہ ایسا تھا کہ جس نے سنا اثر میں ڈوب گیا،

مدینہ میں داخلہ نماز کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) آگے بڑھے، انہماکی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار لگا کر آپ کو لینے آئے، قبا سے شہر مدینہ تک ہر قبیلہ کے معزز لوگ دور دور یہ کھڑے تھے، آپ جس قبیلہ کے آگے سے گزرتے وہ عرض کرتے کہ اے خدا کے رسول! یہ گھریہ مال، یہ جان حاضر ہے، آپ شکر یہ ادا کرتے، اور دیکھتے شہر قریب آیا، تو مسلمانوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ عورتیں چھوٹے بچے لے کر آئیں اور گانے لگیں

طلع البدر علینا من ثنایات الوداع

چودہویں کا چاند ہمارے سامنے نکل آیا، وداع کی گھاٹیوں سے

وجب الشکر علینا مبادع اللہ داع

ہم پر خدا کا شکر واجب ہے، جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

نہو بخار کی لڑکیاں جن کو حضورؐ کے نہالی رشتہ دار ہونے کا شرف حاصل تھا
 شعی بن دہب بجا کر یہ شعر گاتی تھیں

نحن جوار من بنی النجاشہ یا حبیبنا محمدنا من جاءہ

ہم بخار کے خاندان کی لڑکیاں ہیں، اسے ہے محمد ہمارے پاس حسین گے،

جہاں اب مسیٰ نبویؐ ہے، یہاں ابویوبؓ انصاری کا گھر تھا، جو بخار کے
 اہل ان سے تھے، آپ اونٹنی پر سوار تھے، ہر شخص چاہتا تھا کہ اس کو آپ کے ہما
 آنے کی عزت حاصل ہو، اور اس لیے وہ اونٹنی کو اپنے گھر کے پاس روکنا چاہتا تھا
 آپ نے فرمایا، اس کو چھوڑ دو، جہاں خدا کا حکم ہوگا، وہیں یہ جا کر ٹھہرے گی، وہ جب
 حضرت ابویوبؓ کے گھر کے پاس پہنچی تو بیٹھ گئی، حضرت ابویوبؓ کی خوشی کا کیا
 ال ہو گئے، حضورؐ کو اپنے ہاں مہمان اتارا، اور ہر طرح کے آرام و آسائش کا سامان
 ہم پہنچایا حضرت سات مہینے تک انہی کے گھر رہے،

انصار عربی لفظ ہے، ناصر کی جمع ہے، اس کے معنی مددگار کے ہیں، مدینہ
 کے مسلمانوں نے اسلام کی، اور مکہ کے پریشان حال مسلمانوں کی جس طرح مدد، خدمت
 اور خاطر بذرات کی، اس کا لحاظ کر کے اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے مسلمانوں کا نام انصار
 یعنی مددگار رکھا، اور اس وقت سے وہ انصار کہلانے لگے، اور جو اپنے اپنے گھر
 چھوڑ کر مدینہ آ گئے، ان کو ہاجر (گھر چھوڑنے والا) خطاب ملا،

انصار نے ان ہاجروں کو اپنے اپنے گھروں پر اتارا، ان کو اپنی جائیداد
 میں حصہ دیا، اور اپنے کاروبار میں شریک کیا، اب تیرہ سال کے بعد یہ پہلا موقع
 تھا کہ مسلمانوں نے امن و اطمینان کی سانس لی،

مسجد نبوی اور حجرون کی تعمیر مدینہ میں مسلمانوں کو سب سے پہلے خدا کا

گھر یعنی مسجد بنانا تھا، آپ جہاں ٹھہرے تھے، اسی سے ملی ہوئی بنجار کے قید کے دو تھیم بچوں کی ایک پرانی زمین تھی، آپ نے اس کو مسجد کیلئے پسند کیا، دونوں یتیموں نے اپنی طرف سے یہ زمین مفت دینی چاہی، مگر آپ نے یہ پسند نہیں کیا، ایک انصاری نے قیمت ادا کر دی، زمین برابر کر کے مسجد بنی شروع ہوئی، اس مسجد کے بنانے والے معمار اور مزدور کون تھے؟ خود آپ اور آپ کے وفادار ساتھی، سب ملے ایک کچی سی دیوار اٹھا کر اوپر کھجور کے تنہ اور پتوں کی چھت بنائی، یہی پہلی مسجد نبوی تھی، مسجد کے قریب ہی اپنی لیے اسی قسم کی چند کھڑیاں بنوائیں جو حجرہ کہتے ہیں، جن میں آپ اور آپ کے گھر کے لوگ (اہلبیت) رہنے لگے، آپ کی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا اور آپ کی بیویان حضرت عائشہؓ اور حضرت سووہؓ مکہ سے آکر یہیں اتریں،

صفہ والے صفہ عربی میں چوتراہ کو کہتے ہیں، مسجد نبوی کے صحن میں ایک چوتراہ بنایا گیا تھا، یہ ان مسلمانوں کا ٹھکانا تھا جن کا کہیں ٹھکانہ نہ تھا، وہ دن کو جنگ سے لکڑیاں لا کر بیچتے تھے، اور اس سے گذرتے، اور رات کو ایک استاد سے لکھنا پڑھنا، اور دین کی باتیں سیکھتے تھے، یہ حضورؐ کے پاس اکٹروہتے تھے، اور آپ کے ارشادات کو سن کر یاد رکھتے، کہیں کسی داعی یا مبلغ یعنی اسلام پھیلانے اور سکھانے والے کی ضرورت ہوتی تو انہی میں سے بھیجے جاتے،

نماز کی تکمیل اور قبلہ مکہ میں جبکہ امن و امان نہ تھا، نہ کھلے بندوں کی نماز پڑھنے کی اجازت تھی، اس لیے فرض نماز دو ہی رکعتیں تھیں، مدینہ آکر جب مسلمانوں نے اطمینان کی سانس لی، اور مذہب کی آزادی ملی، تو طہر، عصر، عشا کی چار رکعتیں پوری

کی گئیں، مغرب کی تین رہیں، اور صبح میں دو، کیونکہ صبح کے وقت لمبی قرات یعنی رکعتوں کے بدلے زیادہ قرآن پڑھنے کا حکم تھا،

جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لیے ضرورت اس کی تھی کہ مسلمانوں کو مقررہ وقت پر بلانے کے لیے کوئی نشانی مقرر کی جائے، ہندوؤں میں اس کے لیے سنگھ، عیسائیوں میں گھنٹا اور یہودیوں میں قرنا، کارواج تھا، اسلام میں کھیل تماشے کی ان بے معنی آوازوں کے بجائے انسان کی فطری آواز کو پسند کیا گیا، کہ کوئی کھڑا ہو کر

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ أَشْهَدُ
 أَن لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَشْهَدُ
 أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ

اللہ سب سے بڑا ہے، میں گواہی
 دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
 اور محمد خدا کے رسول ہیں،

پکارے، اور سارے مسلمان اس آواز کو سن کر جوق جوق مسجد کا رخ کریں، جمعہ کی نماز بھی مکہ میں نہیں ہو سکتی تھی، مدینہ آکر اس فرض کے ادا کرنے کا موقع ملا، چنانچہ سب پہلے حضرت مصعب بن عمیر نے جو حضور سے پہلے ہی امام بنا کر مدینہ بھیجے گئے تھے، مدینہ آکر جمعہ کی نماز ادا کی، پھر جب حضور آئے، اور قبا میں چند روز ٹھہر کر مدینہ جانے لگے، تو جمعہ کا دن پڑا، آپ نے اس میں خطبہ دیا، اور مسلمانوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی،

قبلہ نماز میں سب کو کسی ایک سمت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا چاہیے، اسی سمت کو قبلہ کہتے ہیں، یہود بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے، یہ حضرت داؤد اور سلیمان کی بنوائی ہوئی مسجد تھی، اور عربیوں کا قبلہ کعبہ تھا، جو حضرت ابراہیم کی مسجد تھی، حضور جب تک مکہ میں رہے کعبہ کے سامنے اس طرح کھڑے ہوتے تھے کہ بیت المقدس

بھی سامنے پڑ جاتا تھا، مدینہ آئے تو صورت بدل گئی، مدینہ کے ایک طرف کعبہ تھا، تو دوسری طرف بیت المقدس، اس لیے ان دو مین سے ایک ہی کو قبلہ بنایا جاسکتا تھا، پہلے تو آپؐ یہودیوں کی پریمی بن حضرت داؤد علیہ السلام کی مسجد بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے، مگر سولہ مہینہ کے بعد خدا کا حکم آیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی مسجد یعنی کعبہ کی طرف منہ کرو، کیونکہ وہی خدا کا سب سے پہلا گھر ہے، اس وقت سے کعبہ مسلمانوں کا قبلہ قرار پایا۔

بھائی چارہ مسلمان یوں بھی ہر گھرانے سے ایک ایک دودو کر کے مسلمان ہوئے تھے، اور پھر ان کو اپنا گھراں اور مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر دیں نکلنا پڑا، مدینہ آئے تو یہ مسلمان بالکل پریشان اور تباہ حال تھے، حضورؐ نے یہ کیا کہ ایک ایک بے گھر کے مسلمان کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا، پھر یہ ایسے بھائی بنے جو خون کے رشتہ سے بڑھ کر ہوئے، ہر ایک نے اپنے بھائی کو اپنے گھراں اپنی زمین میں جگہ دی، اپنے مال و دولت میں حصہ دیا، اپنے کھیت بانٹ دیے، اپنے کاروبار اور اپنے بیوی بچوں میں شریک کیا،

یہو کا قول و قرار حضور انور ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے

مدینہ کے دونوں قبیلے اوس اور خزرج لڑ لڑ کر تھک چکے تھے، اور چاہا تھا کہ اپنے مین سے ایک رئیس کو جس کا نام عبد اللہ بن اُبی بن سلول تھا، اپنا بادشاہ بنالین، مدینہ میں ایک دوسرا گروہ یہودیوں کا آباد تھا، یہ حجاز کے سوداگر اور مہاجرین تھے، اور یہاں سے لے کر شام کی سرحد تک ان کی تجارتی کوٹھیاں اور گڑھیاں تھیں، اور اپنے روپیہ کے ذریعے مدینہ کے حاکم بنے بیٹھے تھے، اپنی مصلحت کے لحاظ سے وہ کبھی اوس کا ساتھ دیتے تھے، اور کبھی خزرج کا، آنحضرت ﷺ جب مدینہ آئے،

تو شروع شروع میں انھوں نے شاید یہ سمجھ کر کہ یہ ایک ایسا مذہب لیکر آئے ہیں جو ہمارے
 مذہب کے قریب قریب ہے، آپ کی مخالفت نہیں کی، آپ نے شہر کی بے اطمینانی اور
 بدمعنی کی حالت کو دیکھ کر یہ مناسب سمجھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایک ایسا
 سمجھوتہ ہو جائے کہ دونوں فریق اس شہر میں آزاوی سے رہ سکیں، ہر ایک کا
 مذہبی حق محفوظ ہو، اور شہر کے سارے رہنے والے خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی
 باہر سے حملہ کرنے والوں کے مقابلہ میں ایک ہوں، چنانچہ آپ نے یہودیوں سے بات
 چیت کر کے اس قسم کے ایک معاہدہ پر ان کو رضامند کر لیا، اور انھوں نے اس
 کا پکا وعدہ کیا، لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد ان کو نظر آیا کہ اسلام کی طاقت شہر میں فروز
 بڑھتی جاتی ہے، اور ان کا پہلا زور ٹوٹ رہا ہے، یہ دیکھ کر وہ دل میں جلنے لگے،

عبداللہ بن ابی کو خیال تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ نہ آتے تو مدینہ
 کی بادشاہی اسی کو ملتی، اس لیے گو وہ اور اس کے ساتھی منہ پر مسلمانوں کے خلاف کچھ نہیں
 بول سکتے تھے، مگر دل میں وہ بھی مسلمانوں کے مخالفت اور یہودیوں کے شریک
 تھے، انہی کو منافق کہتے ہیں،

مکہ والوں کی شرارتیں اور سازشیں
 جو مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے، مکہ والوں
 نے ان کے گھروں اور جائیدادوں پر قبضہ کر لیا،
 اور سب بڑی بات کی کہ خانہ کعبہ میں آنا، اور حج کرنا ان کے لیے بند کر دیا، کوئی جاتا
 تو چھپ کر، اور سر کو ہتھیلی پر رکھ کر جاتا اور جو غریب مسلمان یا چھوٹے بچے یا عورتیں مدینہ
 نہیں آسکی تھیں، ان پر پرہ بٹھا دیا، کہ وہ نہ جانے پائیں،

اتنے ہی پر انھوں نے بس نہیں کیا، بلکہ یہ دیکھ کر کہ ان کے مجرم معنی مسلمان

ان کی گرفت سے آزاد ہو کر مدینہ میں زور پکڑ رہے ہیں، انھوں نے یہودیوں اور
 کے منافقوں سے سلام و پیام شروع کر دیا، اور ان کو کہلا بھیجا کہ تم نے ہمارے
 ہوئے مجرموں کو اپنے گھروں میں رکھا ہے، بہتر یہ ہے کہ ان کو نکال دو، ورنہ ہم
 آکر تمہارے شہر پر حملہ کریں گے،

مسلمانوں کے تین دشمن مکہ میں مسلمانوں کا ایک ہی دشمن تھا، یعنی مکہ
 کے کافر، مدینہ اگر ان کے تین دشمن ہو گئے، مکہ کے کافر، مدینہ کے منافق اور حجاز کے
 یہود، مکہ کے کافر تلوار کے دھنی تھے، اس لیے وہ تلوار سے فیصلہ چاہتے تھے، مدینہ کے
 منافق اپنی چالوں اور سازشوں سے نقصان پہنچاتے رہتے تھے، اور حجاز کے یہود
 عرب کے سرمایہ والے تھے، پورے حجاز میں اپنی دولت اور سرمایہ کے زور سے اڈھم چائے
 تھے، عرب کی ساری دولت ان کے قبضہ میں تھی، عرب مزدوروں کی کاشت کرتے
 کی پیداوار کے مالک بنے بیٹھے تھے، ملک کا سارا بیوپار اور کاروبار ان کے ہاتھوں
 میں تھا، اور وہ اپنے سود و در سود، اور دوسرے حاجتی ہتھکنڈوں سے عرب کے
 بے تاج کے بادشاہ اور ملک کی بھلائی کی ہر کوشش کے مخالف تھے۔

اسلام کو ان تینوں طاقتوں کا ایک ساتھ مقابلہ کرنا پڑا، اور ان میں
 ہر ایک کے ہٹانے کے لیے الگ الگ تدبیر کرنی پڑی،
منافقوں سے برتاؤ منافق چونکہ زبان سے مسلمان ہونے کا دعویٰ
 کرتے تھے، اس لیے ان کی علانیہ مخالفت نہیں کی گئی، اور نہ سرا دیکر ان کو اور
 زیادہ دشمن بنایا گیا، بلکہ آپؐ ہمیشہ ان کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کیا، ان کے قصور و
 پر طرح دیتے تھے، اور پوچھ گچھ نہیں کرتے تھے، مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے نیک

و شریفانہ سلوک سے وہ آخر کار متاثر ہو کر اپنے مسلمان ہو جائیں، ایک اور دفعہ کسی
 صحابی نے آپ کی خدمت میں یہ عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے اجازت ہو تو بعض
 منافقوں کی گردنیں اڑا دوں، فرمایا نہیں، کیا تم لوگوں کو یہ کہنے کا موقع دینا چاہتے ہو
 محمد اپنے آدمیوں کو آپ مرادیتے ہیں، فرمایا جس نے زبان سے کَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْصُرُوا
 بِرُحْمَتِ رَسُولِ اللَّهِ يُذَوِّدُوا، اس کا شمار مسلمانوں میں ہے، اور اس کے اندر کا
 حاملہ خدا کے سپرد ہے،

منافقوں کا سردار عبداللہ بن ابی جہل مراد آپ نے اس کے نیک دل مسلمان
 بیٹے کی درخواست پر اپنے بدن کا مبارک کرتا اس کو پہنا دیا، یہیں تک نہیں، بلکہ بعض
 مسلمانوں کے کہنے سننے کو بھی نہیں مانا، اور اس کے جنازہ کی نماز بھی پڑھائی،

انہی دنوں میں ایک دفعہ آپ بنو حارث کے محلہ سے گدھے پر سوار گزر رہے
 تھے، راہ میں ایک جگہ کچھ مسلمان، کچھ یہود، اور کچھ منافق بیٹھے تھے جن میں ان کا
 سردار عبداللہ بن ابی سمی تھا، گدھے کے چلنے سے کچھ گرد اڑی، تو عبداللہ نے حقار
 سے کہا کہ گرد نہ اڑاؤ، آپ نے کچھ خیال نہ کیا، اور مجمع کو سلام کیا، اور ان کو اللہ کے
 کچھ احکام سنائے، اس پر عبداللہ نے پھر کہا:-

اے صاحب! مجھے یہ پسند نہیں، اگر تمہاری بات سچ بھی ہو، تو تمہاری مجلس

میں اگر ہم کو سنا یا نہ کرو، جو تمہارے پاس جائے اسی کو سنایا کرو۔

مسلمانوں کو اس کے اس برتاؤ سے براغضہ آیا، مگر آپ نے ان کو سمجھا بھجا کر

ٹھنڈا کیا، اور آگے بڑھ گئے،

لیکن پھر بھی چونکہ وہ گھر کے بھیدی تھے، اس لیے مسلمانوں کو ان سے چو کنا

رہنے کی تاکید کی گئی، اُن سے راز کی بات چھپائی جاتی، اور مسلمانوں کو اُن پر بھروسہ رکھنے سے باز رکھا، اور اُن کی دوستی سے روکا گیا۔

یہ گروہ اسلام کے غلبہ کے بعد آپ سے اپنا فتنہ ہو گیا،

مکہ کے کافروں کی روک تھام مکہ کے کافر تلوار کے دھنی تھے، اس لیے

ان کی روک تھام کے لیے دوڑ دھوپ کی ضرورت ہوئی، مکہ والوں نے کمزور مسلمانوں

کو مدینہ آنے سے روک کر گویا اُن کو اپنی قید میں لے لیا تھا، باہر سے مسلمانوں کو مکہ آنے

نہیں دیتے تھے، حدیث کہ کعبہ کا طواف اور حج جو سارے عرب کے لیے کھلا ہوا تھا، مسلمانوں

کے لیے وہ بھی بند تھا، آپ نے مکہ والوں کو ان کے اس برتاؤ کے بدلے پر مجبور کرنے

کے لیے یہ کیا کہ ان کے بیوپاریوں کو جو شام آتے جاتے تھے، دو دو چار چار اور کبھی کبھی

دس بارہ مسلمانوں کو بھیج کر ڈروانے لگے تاکہ وہ اپنے بیوپار کی خاطر مسلمانوں سے صلح

کر لیں، اور مسلمانوں پر سے اپنی پابندیاں اٹھالیں، مگر انھوں نے ایسا نہیں کیا، اور

براہِ راست اپنی ضد پر قائم رہے، اور مسلمان بھی ان کے بیوپار کے راستہ کو روکنے کے لیے اُن

پر سے، مدینہ، شام اور حجاز کے بیچ میں پڑتا تھا، اس لیے مکہ والے اپنا راستہ بدل بھی

نہیں سکتے تھے،

اسی کے ساتھ آپ نے یہ کیا کہ مدینہ کے آس پاس میں جو غوب قبیلے ایسے تھے جن کے

گھڑ جانے یا مکہ والوں کا ساتھ دیتے سے مدینہ کا امن و امان خاک میں مل جاتا، ان کے

پاس جا کر اُن سے صلح کا معاہدہ کرنے لگے، اس طرح پہلے مدینہ کے قبیلے سے، پھر بنو نضیر

سے صلح اور دوستی کے معاہدے ہوئے،

مکہ کے کافر یہ دیکھ کر اور جلنے لگے، اور سمجھے کہ اس سے محمد کا زور اور بڑھے گا، جس کا

تو ضروری ہے، چنانچہ مکہ کے ایک رئیس گزین جاہل فہری سنہ کی چراگاہ پر چھاپا مارا اور آپؐ کے اونٹ لوٹ لے گیا، مسلمانوں نے پیچھا کیا، مگر وہ بچ کر نکل گیا، اس واقعہ کے تیسرے مہینہ آپؐ دو سو ہزار دن کوئے کرہ بنی مدینہ کے قیدی بن پہنچے، اور اس سے بھی دوستی کا معاہدہ کیا،

کچھ دنوں کے بعد یہ ہوا کہ جب سترہ مہینہ آپؐ نے بارہ آدمیوں کو نخلہ کی وادی میں بھیجا، اور ان کو ایک بند خط دے کر فرمایا کہ "اس کو دو دن کے بعد کھولنا، دو دن کے بعد خط کھولا تو اس میں لکھا تھا، کہ نخلہ میں ٹھہر کر قریش کے ارادوں کا پتہ لگاؤ، اور خبر دو" اتفاق یہ کہ مکہ کے کچھ لوگ جو شام سے تجارت کا مال لے کر آ رہے تھے، سامنے سے گذرے، مسلمانوں کے اس دستہ نے رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر ان پر حملہ کر دیا، ان میں سے ایک شخص عمرو بن جھرمی مارا گیا اور بکری لیے گئے، اور قافلہ کا مال لوٹ لیا گیا، حضور ﷺ کو جب اس کی خبر ملی، تو ناراضی ظاہر کی، اور فرمایا کہ میں نے تم سے یہ تو نہیں کہا تھا، تم نے تو لڑائی کی آگ لگا دی، اور اسی کے ساتھ عرب کے قاعدے کے مطابق اس دستہ نے ہمال ٹوٹا تھا، وہ بھی اسی کو لوٹا دیا، مکہ کا جو آدمی مارا گیا تھا، وہ قریش کے ایک بڑے سردار کا ساتھی تھا، اور جو دو آدمی پکڑے گئے تھے، وہ بھی قریش کے ایک دوسرے سردار کے پوتے تھے، اس واقعہ نے مکہ والوں میں بدلہ لینے کا نیا جوش پیدا کر دیا، بدر لڑائی بدلہ لینے کے لیے ایک بڑی لڑائی ضروری تھی، اور لڑائی کے لیے سرمایہ بھی ضروری تھا، مکہ والوں نے اپنا سارا سرمایہ دے کر ایک تجارتی قافلہ شام کو بھیجا، پہلے واقعہ کے دو ڈھائی مہینوں کے بعد رمضان سترہ مہینہ یہ قافلہ

لوٹ کر آ رہا تھا کہ مکہ والوں کو خبر نہی کہ مسلمان اس پر چھاپا مارا جاتے ہیں، یہ خبر یہی قریش کے بڑے بڑے سردار ایک ہزار سپاہیوں کو لے کر مکہ سے نکلے، اور حضرت ﷺ کو اس کی خبر ملی، تو آپ بھی کچھ مسلمانوں کے ساتھ مدینہ سے چل پڑے قافلہ تو بچ کر مکہ پہنچ چکا تھا، مگر مکہ والوں نے کہا کہ ہم بدر پہنچ کر خوشی منائیں گے، اور مارچ رنگ، اور شراب و کباب کے جلسے کریں گے، بدر ایک گائون کا نام تھا، جہاں سال کے سال یون بھی میدہ لگتا تھا۔

مدینہ سے ایک میل نکل کر آپ نے پڑاؤ کیا، بچوں کو واپس کیا، مدینہ میں منفقو اور یہودیوں کا ڈر تھا، اس لیے ابولہبہؓ صحابی کو مدینہ کا حاکم بنا کر مدینہ لوٹا دیا، اور دو آدمیوں کو آگے بھیجا کہ قریش کا پتہ لگائیں، جب بدر کے قریب پہنچے، تو خبر پہنچانے والوں نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہیں، یہ سن کر آپ یہیں رک گئے،

رات بھر دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے، مسلمانوں نے بھی مکر کھول کر آرام کیا، مگر خدا کا رسولؐ رات بھر کھڑا نماز اور دعائیں لگا رہا، صبح ہوئے کھانا تو مسلمانوں کو نماز کے لیے آواز دی، نماز کے بعد جہاد پر وعظ فرمایا،

یہ مسلمانوں کا پہلا لشکر تھا، اور کافروں سے ان کی یہ پہلی لڑائی تھی، ایک تیک دل قریشی نے چاہا کہ یہ لڑائی ٹل جائے اور بن حضرتؐ کا خون بہہ اس کے وارث کو دیدیا جائے، عتبہ قریش کا سردار اور حضرتؐ کا حلیف اس کے لیے تیار تھا، مگر ابوہل نے اس تجویز کو کامیاب نہ ہونے دیا،

لہ خون کی قیمت

صبح ہوئی تو دونوں فوجیں میدان میں آکر کھڑی ہوئیں، ایک طرف ایک ہزار
 کا دل بادل تھا، جو لوہے میں غرق تھا، اور دوسری طرف تین سو تیرہ سلمان تھے، جن کے
 پاس پورے ہتھیار بھی نہ تھے، لیکن حق کا زور ان کے بازو میں تھا، اور دین کا جوش ان کے
 سینوں میں امنڈ رہا تھا، اللہ کے رسولؐ لڑائی کے میدان سے ذرا ہٹ کر ایک چھپر
 کے سایہ میں اللہ کے حضور سر جھکا کر فتح کی دعا مانگ رہے تھے، اور عرض کر رہے
 تھے کہ خداوند! اگر آج یہ تیرے مٹھی بھر پوسٹے ڈالے مٹ گئے، تو پھر زمین پر
 تیری پرستش نہ ہوگی،

لڑائی اس طرح شروع ہوئی کہ پہلے ابنِ ہضریؓ کا بھائی عامر جس کو اپنے بھائی
 کے خون کا دعویٰ تھا، آگے بڑھا، ایک غلامِ سلمان اس کے مقابلہ کو نکلا، اور وہ مارا
 گیا، اس کے بعد عتبہ جو قریش کے لشکر کا سردار تھا، بڑی شان سے نکلا، اس کے ساتھ
 ولید اور شیبہ بھی آگے بڑھے، اور مسلمانوں کی طرف سے بھی مدینہ کے تین انصاری
 مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے ان کا نام و نسب پوچھا، اور جب معلوم ہوا کہ یہ مدینہ والے
 ہیں، تو پکارا "محمدؐ یہ لوگ ہمارے جوڑے نہیں" حضورؐ کے فرمانے سے یہ انصاری
 ہٹ آئے، اور اب حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ رضی، اور حضرت عبیدہؓ میدان
 میں آئے،

عتبہ، حضرت حمزہؓ سے اور ولید، حضرت علیؓ سے مقابل ہوئے، اور ماسے
 گئے، لیکن شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کر دیا، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ آگے بڑھے، اور
 شیبہ کا کام تمام کر دیا، حضرت زبیرؓ نے سعید بن العاصؓ کا مقابلہ کیا، اور ایسی تان کر
 برہم بھی ماری کہ وہ دھم سے زمین پر آ رہا،

اب عام حملہ شروع ہو گیا، مدینہ میں ابو ہریرہ کی شہادت اور مسلمانوں سے دشمنی کا چرچا عام تھا، انصار کے نو جوان اس کی تاک میں تھے، اور لوگوں سے پتہ پوچھ کر باز کی طرح اس پر ایسے جھپٹے کہ دم کی دم میں وہ خاک اور خون میں لہٹھرا پڑا تھا، ایک دوسرے مسلمان نے جا کر اس کا سر کاٹ لیا،

عتبہ اور ابو ہریرہ کا مارا جانا تھا، کہ قریش ہار کر بھاگنے لگے، اور مسلمانوں نے ان کو پکڑنا شروع کیا، قریش کے سردار جو مکہ کے بڑے بڑے رئیس تھے، مارے گئے، اور اتنے ہی آدمی گرفتار ہو گئے، اور مسلمانوں میں صرف چودہ بہادر ورنے شہادت پائی،

خدا کی عجیب قدرت ہے کہ تین سو تیرہ آدمیوں نے جو ہتھیاروں سے بھی پوری طرح سچے نہ تھے، ایک ہزار کی فوج کو ہرا دیا، یہ سچ اور جھوٹ اور اندھیرے اور اجالے کی لڑائی تھی، سچ کی جیت ہوئی، اور جھوٹ کی ہار، اندھیرا چھٹ گیا، اور اجالا چھا گیا۔
دشمنوں سے پرتاؤ بدر کے قیدیوں کے ساتھ مسلمانوں نے بڑا اچھا برتاؤ

کیا مسلمان ان کو کھانا کھلاتے تھے، اور خود کھجور کھا لیتے تھے، جن کے پاس کپڑے نہیں تھے، ان کو کپڑے دیے، قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمر مکر کیا تھا، یہ بڑا زور آؤں مقرر تھا، عام مجمعوں میں مسلمانوں کے خلاف تقریریں کرتا، اور لوگوں کو اس جارتا تھا، بعض صحابیوں نے کہا، یا رسول اللہ اس کے دانت اکھڑوا لیجیے، کہ پھر اچھی طرح بول نہ سکے، آپ نے اس رائے کو ناپسند کیا، اور فرمایا، اگر میں اس کے جسم کا حصہ بگاڑ دوں گا تو گونہی ہوں، مگر خدا اس کے بدلہ میں میرے جسم کا کوئی حصہ بھی بگاڑ دے گا۔ بعض پر جوش صحابی جانتے تھے کہ ان قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، مگر آپ نے ان کا نام بات بھی نہیں مانی، اور یہ سچ کیا کہ ان میں جو امیر ہیں، وہ فدیہ دیکر چھوٹ جائیں۔

اور جو غریب ہوں، لیکن لکھنا پڑھنا جانتے ہوں، وہ دس مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں، اور جو یہ بھی نہیں جانتا تھا، وہ خدا کی راہ میں آزاد کر دیا گیا،

پھر کی جیت نے مسلمانوں کی قسمت کا پانسٹا پلٹ دیا، اب وہ صرف ایک مذہب اور ایک الہی نظام کے داعی ہی نہ تھے، بلکہ ایک اٹھتی ہوئی سیاسی قوت تھے، جن کا مقصد نہ صرف عرب کی چھوٹی چھوٹی سپرڈون ہے نظام ریاستوں کی جگہ ایک مضبوط اور باقاعدہ حکومت کھڑی کرنا، بلکہ قیصر و کسریٰ کی ظالمانہ حکومتوں کو مٹا کر دنیا میں عدل و انصاف اور برابری اور مساوات کی سلطنت قائم کرنا قریش کا پڑا زور ٹوٹ گیا، مکہ کے اکثر رئیس مارے گئے، ان کی جگہ اب سب کے رئیس ابوسفیان بننا، اس فتح نے منافقوں کے دل بھی دھڑکا دیے، ان کو پتہ چل گیا کہ اب تمام لوگوں کا کون پڑا بھاری ہو رہا ہے، ادھر ہو دھبی ہو شیار ہو گئے، اور ان کو یہ ڈر ہونے لگا کہ اب جلد ہی اس نئی طاقت کا سر نہ کچل دیا گیا تو ان کا کہیں ٹھکانا نہیں،

بدر کا انتقام بدر کی لڑائی تو ایک حضری کے خون کے لیے کھڑی کی گئی تھی، اب قریش اپنے ستر مقتولوں کے خون کے بدلہ کا خیال ہوا، بدر میں جو مارے گئے تھے، ان کا ماتم ہو رہا تھا، مرثیے پڑھے جاتے تھے، سازشیں کی جاتی تھیں کہ مسلمانوں سے اس کا بدلہ کیونکر لیا جائے، ابوسفیان نے جواب مکہ کا رئیس تھا، قسم کھائی تھی، کہ جب تک وہ مسلمانوں سے بدلہ نہ لے لیگا، دنیا کا لطف نہیں اٹھائیگا بدر کے تین مہینوں کے بعد اس نے اپنی قسم اس طرح پوری کی کہ وہ سو شتر سواروں کو لے کر مدینہ کے آس پاس گیا، اور یہود و سرداروں سے بات چیت کی، یہو نے

اس کو دینہ پر حملہ کے بھید بتائے، صبح کو واپس ہوتے ہوئے ایک مسلمان کو قتل کیا، اور مسلمانوں کے چند مکانوں اور گھاس کے ڈھیر میں آگ لگا دی، مسلمانوں کو خبر ہوئی، تو وہ دوڑے، مگر وہ نکل چکا تھا، اس واقعہ کو غزوہ سوتیق (ستروالی لڑائی) کہتے ہیں، کیونکہ اوسفیان کے ساتھیوں کا تو شہ اس سفر میں سوتیق یعنی ستو تھا، جس کو گھبراہٹ میں وہ پھینکتے گئے تھے۔

آنحضرت (ﷺ) کو ادھر سے اطمینان ہوا تو ایک گھریلو کام کرنے کا خیال آیا، یہ حضرت فاطمہ زہرا کے نکاح کی تقریب تھی، اور وہ بھی رسم و رواج کی ایک بہت بڑی اصلاح تھی،

حضرت فاطمہ زہرا کا نکاح آنحضرت (ﷺ) کی اولاد میں

(ذی الحجہ ۲؎) یہ سب چہیتی اور صاحبزادیوں میں سب سے

چھوٹی تھیں، آپ کو اپنی سب اولادوں سے زیادہ اُن سے محبت تھی، اور وہ بھی اپنے پیار سے باپ پر فدا کرتی تھیں، آپ کو ذرا بھی تکلیف پہنچتی، تو وہ بے چین ہو جاتی تھیں، شکی اور پاکیزگی میں اپنی مثال نہیں رکھتی تھیں، اب وہ جوان ہو چکی تھیں، اٹھارہ سال کی عمر تھی، شادی کے پیغام آنے لگے تھے، مگر حضور کے دل میں کچھ دیر تک بات تھی، یہ خیال تھا کہ اس کے لیے ایسا ہی عورت کا لڑکا بھی ملے، یہ حضرت علیؑ تھے، جو حضور ہی کے سایہ میں پلے تھے، حضرت علیؑ نے اپنی درخواست پیش کی، تو وہ گویا پیش ہونے سے پہلے منظور ہو چکی تھی، حضرت نے بی بی فاطمہؑ سے دریافت کیا، تو وہ جب رہیں، یہ گویا رضامندی کا اظہار تھا، پھر حضرت علیؑ سے پوچھا، کہ تمہاری والدہ ہر ادا کرنے کو کیا ہے، بولے کچھ نہیں، فرمایا وہ زہرا کیا ہوئی، جو پدر میں ہاتھ آئی تھی

عوض کی دُتو موجود ہے، آپ نے فرمایا، وہ بس ہے،

اس کتاب کے پڑھنے والوں کو خیال ہوگا کہ یہ زرہ بڑی قیمتی چیز ہوگی، لیکن یہ سنکر اُن کو تعجب ہوگا کہ وہ صرف سوا سو روپیہ کی تھی، زرہ کے سوا بدر کے اس بہادر کی جو ملکیت تھی، وہ یہ تھی، بھڑکی ایک کھال، اور ایک پرانی مٹی چادر، یہی وہ سرمایہ تھا جو دو لھانے دولہن کی نذر کیا، ایک صحابی نے اپنا ایک عالی مکان دو لھا دولہن کے رہنے کو پیش کیا، جس کو آپ نے قبول فرمایا،

بزرگ باپ نے اپنی چھٹی بیٹی کو جو ہمیر دیا، وہ بان کی ایک چار پائی، چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے تھے، ایک چھاگل، ایک شک، دو چکیان، اور دو مٹی کے گھڑے،

دو لھا دولہن جب نئے گھر میں جالیے تو حضور دیکھنے تشریف لے گئے پہلے دروازہ پر کھڑے ہو کر اجازت مانگی، پھر اندر گئے، ایک برتن میں پانی منگوا یا، دونوں ہاتھ اس میں ڈالے، اور ہاتھ نکال کر دونوں پر وہ پانی چھڑکا، اور بیٹی سے فرمایا، بیٹی میں نے تمہارا نکاح خاندان کے سب سے بہتر شخص سے کیا ہے،

اللہ اکبر! کیا ساوگی اور بے تکلفی کی تقریب تھی، مسلمانوں کی خوشی کے مراسم کے لیے اس سے بہتر کوئی نمونہ ہو سکتا ہے؟ یہ گویا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانوں کے سامنے اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کی مثال پیش کی ہے،

روزہ

رمضان نماز کے بعد اس سال روزہ کی دوسری عبادت فرض ہوئی، اور اس کے لیے رمضان کا مہینہ چنا گیا، کیونکہ یہ وہی پاک مہینہ تھا جس کی ایک رات میں خدا کا پیغام اس خاص بندہ (ﷺ) پر حرکے غارین اُتر اُتھا، اس یادگار میں یہ مہینہ عزت اور حرمت کا مہینہ مقرر ہوا، اور اس میں اسی طرح دن گزارنے کا حکم ہوا جس طرح اس پر گزیدہ نبیؐ نے ان دنوں حرامین دن گزارے تھے، یعنی دن کو کھانے پینے سے پرہیز اور رات کو خدا کی عبادت،

عید ہر شریعت نے اپنے لیے تہوار کا کوئی دن اپنی خوشی اور مسرت کے لیے مقرر کیا ہے، اسلام نے اس کے لیے رمضان کے روزہ کے بعد شوال کی پہلی کو عید کا دن مقرر کیا، اس میں عید کی دو رکعت نماز پڑھنے کو بتایا، تاکہ حد کے سامنے سب کھڑے ہو کر قرآن کی نصیحت اور اسلام کی دولت ملنے پر خدا کا شکر ادا کریں اور اس لیے تاکہ اس نئی کے دن کوئی بھائی بھوکا نہ رہے، انتظام کیا گیا، ہر قدرت دے پر فطرہ کا صدقہ دیا گیا، یہ پہلا موقع تھا کہ آنحضرت (ﷺ) نے مسلمانوں کو ساتھ لے کر ایک دن میں عید کی نماز ادا کی، نماز کے بعد خطبہ دیا جس میں فطر کے صدقہ کی خوبان بیان فرمائیں، یہ عید کی نماز مسلمانوں کی معاشرتی مساوات اور نہ ہی خوشی کا سالانہ منظر ہے،

اُحد کی لڑائی

شوال ۳۳ھ

مکہ میں بدر کے بدلہ لینے کی آگ اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، ابوسفیان نے اس جوش سے فائدہ اٹھایا، قریش کا تجارتی سرمایہ لڑائی کے خرچ کے لئے منظور ہوا، عربوں کے بھڑکانے اور جوش دلانے کا سب سے کام کاہتھیار شاعری تھی، قریش کے دو شاعروں نے اس کام کو اپنے ہاتھوں میں لیا، ان میں سے ایک وہی تھا جو بدر میں قید ہو چکا تھا، مگر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم و کرم سے رہا ہو گیا تھا، ان دونوں نے قریش کے قبیلوں میں جا جا کر اپنے بیان کی گرمی سے آگ لگا دی،

قریش کے شریف گھرانوں کی بی بیوں نے بھی سپاہیوں کے دل بڑھانے کا کام کیا، بڑے بڑے گھرانوں کی بی بیان جن کی سردار ابوسفیان بی بی ہند تھی، اپنے گانوں سے قریش سپاہیوں کی رگوں میں شجاعت اور مردانگی کے خون دوڑا کے لیے سفر کو آمادہ ہوئیں۔ ہند کا باپ عتبہ اور حبر بن مطعم کا چچا دودون بدر کے میدان میں حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، ہند نے جبیر کے حبشی غلام وحشی کی آزادی کی قیمت حضرت حمزہؓ کا سر مقرر کیا تھا،

مکہ میں یہ تیاریاں ہو رہی تھیں، مگر ابھی تک مدینہ میں اسکی خبر نہ تھی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے چچا حضرت عباسؓ نے جو اسلام لاپکے تھے، ایک تیز چلنے والے آدمی کو بھیجا کہ مدینہ
 خبر کی، اتنے میں خبریں ملین کہ قریش کی فوج دھاوا کر کے مدینہ کے قریب پہنچ چکی ہے
 آپؐ نے کچھ مسلمانوں کو پہرہ کے کام اور دشمنوں کی دیکھ بھال پر مقرر کیا، صبح ہوئی
 تو مشورہ طلب کیا، اکثروں نے یہ رائے دی کہ عورتوں کو باہر کے قلعہ میں بھیج دیا جائے
 اور مرد آبادی میں ٹھہر کر دیواروں کی اڑے کر دشمنوں کا سامنا کریں، منافقوں کے
 سردار عبداللہ بن ابی بن سلول نے بھی یہی رائے دی، لیکن نوجوان مسلمانوں نے
 جو جوش میں بھرے ہوئے تھے، اس پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر میدان میں مقابلہ کیا
 جائے، اس قرار داد کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) گھر تشریف لے گئے، اور رورہ
 پہنکر باہر تشریف لائے، اور دوسرے مسلمانوں نے بھی تیاری شروع کر دی،

قریش نے مدینہ کے پاس پہنچ کر اُحد پہاڑ کے پاس بڑا ڈالا، اور دونوں یہاں
 جے رہے، تیسرے دن جمعہ تھا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جمعہ کی نماز پڑھ کر ایک ہزار
 مسلمانوں کو ساتھ لے کر باہر نکلے، ان میں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بھی تین سو
 آدمی تھے، لیکن وہ یہ کہہ کر اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس چلا گیا، کہ محمدؐ نے میری
 رائے نہ مانی، اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے، جن میں سے صرف سو آدمیوں کے
 پاس زہرین تھیں،

اس لڑائی میں شرکت کی اجازت پانے کے لیے بعض کم سن نوجوان مسلمانوں
 نے عجیب و غریب جوش دکھایا، رافع بن خدیج سے جبت کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے
 ہو تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے، سچ ہے تو تم کی زندگی کی آگ نوجوانوں
 کے ہی جوش عمل کے اندھن سے جلتی ہے،

مسلمانوں نے اُحد پہاڑ کو پیٹھ کے پیچھے رکھ کر اپنی صف درست کی، پہاڑ میں ایک
 دورہ (گھاٹی) تھا، جدھر سے ڈرتھا کہ دشمن پیچھے ہٹ کر حملہ نہ کر دیں، اس لیے پچاس
 اچھے تیر چلانے والوں کا ایک دستہ اس کی حفاظت کے لیے مقرر کیا، اور سمجھا دیا کہ
 لڑائی میں ہماری جیت بھی ہو رہی ہو، تو بھی وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں،

لڑائی اس طرح شروع ہوئی، کہ قریش کی شریف ہویان دفت پر فخر کر
 اشرار اور بدد کے مقتولوں کا درد بھرا منہ پڑھتی ہوئی آگے بڑھیں، پھر قریش کے
 لشکر کا علم بردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا، علی مرتضیٰ نے اس کا جواب دیا، اور پھر
 تلوار ماری، اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی، اس کے بعد اس کے بیٹے نے جرات کی،
 اور آخر حضرت حمزہؓ کی تلوار نے اس کا بھی خاتمہ کر دیا، اب عام جنگ شروع
 ہو گئی، حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، ابو دجانہ انصاریؓ فوجوں کے دل میں گھس گئے
 اور دشمنوں کی صفیں کی صفیں الٹ دیں،

حضرت حمزہؓ دونوں ہاتھوں میں تلوار لیے لاشوں پر لاشیں گراتے جا رہے
 تھے، جبر کا حبشی غلام جنتی جس کو ہند نے یہ وعدہ کیا تھا، کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کر دے
 تو آزاد کر دیا جائے گا، حضرت حمزہؓ کی تاک میں تھا، حضرت حمزہؓ جیسے ہی اسکی
 زد میں آئے، اس نے حبشیوں کے ایک خاص انداز سے جس میں ان کو پوری
 مہارت ہوتی ہے، ایک چھوٹا سا نیزہ پھینک کر مارا، جو ناف میں لگا، اور بار
 ہو گیا، حضرت حمزہؓ نے اس پر پلٹ کر حملہ کرنا چاہا، مگر لڑکھڑاکر گر پڑے، اور
 روح پرواز کر گئی،

حق اور باطل کی کیسی عجیب لڑائی تھی، باب اپنے بیٹے اور بیٹا اپنے باپ کے

مقابل تلوار تول رہا تھا، غنظلہ ایک صحابی تھے، جو مسلمان ہو چکے تھے، انھوں نے اپنے باپ کے مقابلہ میں جانے کی اجازت چاہی، مگر رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کی اجازت نہ دی، مسلمان بہادر ایمان کے جوش میں چور تھے، وہ کافروں کو ہر طرف سے دبائے بڑھے جا رہے تھے، آخر ان کے بے پناہ حملوں سے دشمنوں کے پاؤں اکھڑ گئے، اب مسلمانوں نے دشمنوں کے بجائے ان کے مال و اسباب کی لوٹ شروع کر دی، یہ دیکھ کر تیر حلیانے والوں نے جو درہ کے پہرہ پر تھے، اپنی جو کی چھوڑ دی، ان کے سردار عبداللہ بن جبر نے کتنا ہی ان کو روکا، مگر وہ یہ جان کر کہ لڑائی ختم ہو چکی ہے، وہ بھی لوٹ مار میں شریک ہو گئے، خالد جو بعد کو اسلام کے سب سے بڑے سپہ سالار ثابت ہوئے، اس وقت مکہ کی فوج میں تھے، ان کی جنگی نظر سے دشمنوں کی یہ کمزوری چھپی نہیں رہ سکتی تھی وہ سواروں کا ایک دستہ لے کر درہ سے ہو کر آگے بڑھے، عبداللہ بن جبر اور ان کے چند ساتھیوں نے حم کرنا منا کیا، اور سب کے سب شہید ہو گئے، خالد نے اب آگے بڑھ کر مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا، مسلمان لوٹنے میں مصروف تھے، مگر دیکھا تو تلواریں برس رہی تھیں، بدحواسی کا یہ عالم ہوا کہ مسلمان آپس ہی میں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے، مصعب بن عمیر جو مسلمانوں کے علمبردار اور صورت میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملتے جلتے تھے، وہ ایک کافر کے ہاتھ سے شہید ہو گئے، اس پر کافروں نے غل مجاویا کہ محمد نے شہادت پائی، اس آواز سے مسلمانوں کے رہے سے ہوش بھی اڑ گئے، ان کی صفیں بے ترتیب ہو گئیں کافروں کا سارا زور اُدھر تھا، جدھر حضورؐ تھے، جھنوں کی بے ترتیبی سے آپؐ تک

پہنچنے کے لیے دشمنوں کا راستہ بالکل صاف تھا، صرف گیارہ جان نثار پر دانون کی طرح
 مع نبوت کے ارد گرد تھی، ان میں سے علی رضی، ابو بکر صدیق، سعد بن ابی وقاص، زبیر اور
 ان کے نام ماحیرون میں اور ابو جابر کا نام انصاریوں میں معلوم ہے، باقی صحابہ کو آپ
 کچھ خبر نہ تھی، یہ ایک آپ کو ایک صحابی نے دور سے پہچانا، اور پکارا، مسلمانوں! رسول اللہ
 ہیں، یہ سن کر ہر طرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے، اور آپ کو دائرہ میں لے لیا، کھانے
 ہر طرف سے ہٹ کر اسی رخ پر زور دیا، دل کا دل ہجوم کر کے بڑھتا تھا، لیکن ذوالفقار
 ابوبکر سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا، ایک دفعہ ہجوم ہوا تو فرمایا کون مجھ پر جان
 تیاہی، دفعہ سات انصاری ایک کے بعد ایک بڑھے اور ایک ایک لڑکر جانیں دیں، ابو جابر جھک کر سر
 لٹھا، جو تیر آتے، انکی پیٹھ پر لگتے، طلحہ نے تلواروں کو اپنے ہاتھ پر لٹکا، حضرت سعدؓ کی طرف سے تیر
 تھے، ابو طلحہ نے سپر سے آپ کے چہرہ مبارک کا اوٹ کر لیا تھا، آپ گردن نکال کر لڑائی
 کا منظر دیکھنا چاہتے، تو وہ عرض کرتے، کہ آپ گردن نہ اٹھائیں، کوئی تیر نہ لگ جائے
 میرا سینہ حاضر ہے، اسی حال میں قریش کا ایک شقی جو بڑا بہادر کہلاتا تھا، جان نثاروں
 کے دائرہ کو توڑ کر آگے بڑھا، اور چہرہ مبارک پر تلوار ماری، جس کی چوٹ سے خود کی
 دو کڑیاں چہرہ مبارک میں چبھ کر رہ گئیں، اُمّ عمارہؓ صحابیہ نے اس کے تلوار ماری، جو
 اس کی زردہ میں اچٹ کر رہ گئی، کسی کافر نے دور سے کوئی پتھر پھینکا، جو حضور ﷺ
 کے چہرہ مبارک پر آکر لگا، جس سے آگے کے دو دانت شہید ہو گئے، اسی حالت میں
 پت کی زبان سے یہ اثر میں ڈوبا ہوا فقرہ نکلا، جو رتی دنیا تک یاد رہے گا:-

”اے خدا میری قوم کے قصوروں کو معاف کر کہ وہ نادان ہیں۔“

اس کے بعد چند ثابت قدم صحابیوں کے ساتھ آپ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے،

یہ حضرت علیؓ کی تلوار کا نام ہے، جو ان کو بدر میں ملی تھی،

یوسفیان نے دیکھ لیا، فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا، لیکن حضرت عمرؓ اور چند ہمراہیوں نے
 ہمسائے جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکا، لیکن سامنے کی دوسری پہاڑی پر چڑھ کر اس
 پہل دیوتا کی بے پکاری، حضرت عمرؓ نے اس کے مقابلہ میں اللہ اکبر کا نعرہ لگایا،
 آپؐ کی وفات کی غلط خبر بدینہ تک پھیل گئی، حضرت فاطمہؓ زہراؓ اُخدا جانے کس
 طرح بے تابانہ باپ کے قدموں تک پہنچ گئیں، چہرہ مبارک سے خون جاری تھا،
 حضرت علیؓ سپرین باپی بھر کر لائے، حضرت فاطمہؓ زخموں کو دھوتی تھین، مگر خون نہیں
 تھمتا تھا، آخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلا کر زخموں پر رکھ دیا، جس سے خون ٹھم گیا،
 اس لڑائی میں ستر مسلمان مارے گئے، شہیدوں میں سب سے بڑی ہستی حضرت حمزہؓ
 کی تھی، حضورؐ پر اس کا بڑا اثر تھا، مگر مجال کیا تھی جو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹا، اتنا
 فرمایا کہ "اے حمزہؓ پر کوئی روئے والا بھی نہیں" انصار نے سنا تو اپنی عورتوں کو ہدایت کی
 کہ پہلے حمزہؓ کا ماتم کرنا، حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ دیکھا تو فرمایا، تمہاری ہمدردی کا
 شکریہ ادا کرتا ہوں، لیکن مردوں پر رونا جائز نہیں،

قریش کی عورتوں نے اور خاص کر ابوسفیان کی بیوی ہند نے مسلمان لاشوں
 سے بے ادبی کر کے اپنے دل کا بخار نکالا، ان کے ناک کان کاٹ لیے، اور ان بھولوں
 کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا، ہند نے حضرت حمزہؓ کا پیٹ چاک کیا، اور جگر نکال کر چابوتہ
 مگر نگل دسکی، پھر ایک بلند ی پر چڑھ کر چند اشارے کئے کہ آج بدر کا بدلہ ہو گیا،
 اس لڑائی میں یہودیوں کے ڈر سے مسلمانوں نے اپنی بیویوں، بچوں، اور
 کمزوروں کو قلعہ میں رکھ دیا تھا، مگر جو بی بیان بہادر تھیں، وہ میدان میں موجود تھیں
 چلے ہو کہ حضرت فاطمہؓ زہراؓ، باپ کی مرہم پٹی کر رہی تھیں، اور حضرت عائشہؓ

حضرت اُمّ سلیم، اور حضرت اُمّ سلیم اپنے کندھوں پر مشک بھر کر لاتی تھیں، اور زحمیون
بولاتی تھیں،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی اور حضرت حمزہ کی بہن، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی
لی خبر سن کر مدینہ سے نکلیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے صاحبزادہ زبیر سے
بلا کر کہا کہ وہ حضرت حمزہ کی لاش جو ٹکڑے ٹکڑے پڑی تھی، نہ دیکھنے پائیں، حضرت زبیر
نے اُکر یہ کہا تو بولیں، میں اپنے بھائی کا ماجرا سن چکی ہوں، لیکن خدا کی راہ میں یہ
کوئی بڑی قربانی نہیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اجازت دی، تو لاش پر گئیں،
فون کا جوش تھا، اور عزیز بھائی کے ٹکڑے... بکھرے پڑے تھے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا
اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کے سوا ان کی زبان سے اور کچھ نہیں نکلا،

ایک انصاری بی بی کے باپ، بھائی، اور شوہر تینوں اس لڑائی میں مارے گئے
تھے، وہ حال جاننے کے لیے بے قرار ہو کر گھر سے نکلیں، باری باری ان تینوں سخت
حادثوں کی آواز اُن کے کانوں میں پڑتی ہے، لیکن وہ ہر بار یہی پوچھتی ہیں کہ ہمارے رسول
کیسے ہیں، جواب ملا خیریت سے ہیں، اُن کو تسکین نہ ہوئی، پاس اُکر چہرہ مبارک دیکھا
تو بکا رہیں، آپ خیریت سے ہیں تو اور مصیبتیں کچھ نہیں،

شہیدوں کے کفن کے لیے بھی غریب مسلمانوں کے پاس کچھ نہ تھا، مدینہ کے پہلے
امام اور مبلغ مصعب بن عمیر کا جنازہ تیار تھا، ان کے کفن کا کپڑا اتنا چھوٹا تھا کہ ان کا
سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، اور پاؤں چھپاتے تو سر کھل جاتا، آخر سر چھپا کر پاؤں
پر گھاس رکھ دی گئی، یہ وہ منظر تھا کہ بعد کو بھی مسلمان جب اس واقعہ کو یاد کرتے
تھے، تو رو دیتے تھے، شہیدوں کو نہٹائے بغیر اسی طرح خون سے رنگین قبروں میں

یہودی خطرہ کو مٹانا

مدینہ میں اسلام کے لیے یہ تیسرا خطرہ تھا، اور یہ سب سے بڑھکا تھا، کیونکہ یہود دولت میں، تجارت میں، اور جنگی مہارت میں عربوں سے بڑھ کر تھے ان کا سلسلہ حجاز سے لے کر شام کے حدود تک پھیلا تھا، ان کے بیوپار اور کاروبار کے سب سے سارے عرب پر ان کا اثر تھا، اور وہ عرب میں مذہبی روایات اور علم و فضل کے لحاظ سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، مدینہ اور اس کے پاس کے شہروں اور آبادیوں میں ان کو اپنی دولت و جاہرت اور تجارت کی وجہ سے بڑی قوت حاصل تھی، اور اب ان کے سرمایہ داری کے بوجھ کے نیچے دبے تھے، اس اور تخریب کے کسان اور مزدور جو پیدا کرتے تھے، وہ سب ان کے قلعوں اور کوٹھیوں کے اندر ہو جاتا تھا، عربوں کی ملکیت یہودیوں کے ہاتھوں گرو رہتی، اور اس لیے وہ اپنی محنت کا پھل نہیں پاتے تھے، یہودیوں کا ایک قبیلہ جو بنی قینقاع کہلاتا تھا، وہ سونے، چاندی اور سوناری کا کام کرتا تھا، ان کا دوسرا قبیلہ بنی نضیر تھا، اور تیسری قریطہ کہلاتا تھا، انھوں نے ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا، ساری آبادی ان کے قرضوں سے زیر بار تھی، اور چونکہ ان کی یہی دولت کے مالک تھے، اس لیے بڑی بے رحمی سے سود کی بڑی بڑی شرحیں مقرر کرتے، اور قرضہ کی کٹاوت میں لوگوں کے بال بچے یہاں تک کہ عورتوں کو زین رکھواتے تھے،

جب اسلام کام کر کے مکہ سے ہٹ کر مدینہ چلا آیا، تو یہودی جیسا کہ شروع میں بتایا جا چکا ہے، پہلے پہلے بہت خوش ہوئے، کیونکہ اسلام جو کچھ کہتا تھا، وہ سب ان کی کتابوں میں تھا، وہ ان کی آسمانی کتابوں کی تائید اور ان کے پیغمبروں کی تصدیق کرتا تھا، اور اس سے ان کو یہ امید تھی کہ عربوں کی یہ نئی تحریک ان کے اقتدار کو اور بڑھائے گی، اور اس لیے وہ اسلام سے اتحاد اور معاہدہ کے لیے آگے بڑھے، اور دشمنوں کے حملہ کی صورت میں مدینہ کے بچاؤ کا قول و قرار کیا، اور سمجھے کہ عربوں کی یہ نئی طاقت یہودیوں میں جذب ہو کر رہ جائے گی،

لیکن ان کو سال کے اندر ہی اندر یہ معلوم ہونے لگا، کہ یہ نئی تحریک ایک مستقل طاقت ہے، جس کو اگر پہلے ہی کچل نہ دیا گیا تو ان کے سارے اقتدار اور بیوپار کا خاتمہ کر دے گی، اب یہ ہوا کہ بجائے اس کے کہ وہ اسلام کی طرف اس لیے بڑھتے کہ وہ انہی کے اصلی دین کو لے کر آیا تھا، وہ رکنے لگے، اس پر بے جا اعتراضوں کی بھرمار کرنے لگے، سامنے کچھ اور پیچھے کچھ کہتے اور باز ور لگاتے کہ اسلام کی طرف سے لوگوں کے دل پھر جائیں، مگر اس میں ان کو کامیابی نہیں ہوئی، بلکہ خود یہودیوں سے جو لوگ کچھ بھی حق اور انصاف چاہتے تھے، کھلم کھلا مسلمان ہو گئے، اور کچھ نے مسلمان ہو کر اپنی دولت بھی اسلام کی راہ میں دے دی،

یہ صورت حال تھی کہ قریش اور مسلمانوں میں لڑائی کے آثار ظاہر ہونے لگے، اب انھوں نے قریش سے اور قریش نے ان سے ساز باز شروع کی، ایک ہی سال کے بعد بدر کا واقعہ پیش آیا، اور مسلمانوں نے فتح پائی، یہ یہودیوں کے لیے خطرہ کی گھنٹی تھی، وہ چو کئے ہو گئے، اور کیل پردہ سے درست ہونے لگے، مسلمانوں

نے یہ دیکھا تو ان کو سمجھایا، اور ان کو ان کا قوں و قرار یاد دلایا، اور نہ ماننے کی صورت
 میں دھمکی دی، کہ جو قریش کا حال ہوا وہی تمہارا ہوگا، یہود نے کہا، ہم کو قریش نہ سمجھنا
 وہ لڑائی بھڑائی کے آدمی نہ تھے، ہمارے پاس لڑائی کے پورے سامان اور ہتھیار
 ہیں، اور ہمارے بڑے بڑے قلعے ہیں، ان قلعوں سے سرگرم آسان نہیں،
 یہودیوں کو معلوم تھا کہ محمد (ﷺ) کی ساری طاقت کارائہ مدینہ کے
 دو قبیلوں اوس اور خزرج کا اسلام کے جھنڈے تلے آکر ایک ہو جانا تھا، انھوں نے
 یہ کیا کہ ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر ان دونوں کی آپس کی لڑائیوں کا جو اسلام سے پہلے
 ایک دوسرے کے خلاف لڑے تھے، تذکرے چھڑنے لگے، تاکہ دونوں کی عداوت
 کے پرانے جذبے ابھر سکیں، اور ان کے اسلام کے اتحاد کا رشتہ ٹوٹ جائے، ایک
 دفعہ ان کی اسی چال سے یہاں تک ہوا کہ یہ دونوں قبیلے پھر کٹنے مرنے کو تیار
 ہو گئے، رسول اللہ (ﷺ) کو خبر ہوئی، تو اگر دونوں کو سمجھایا، اور اس طرح
 یہ فتنہ دبا،

مدینہ میں منافقوں کا جو گروہ تھا، اس کا یہودیوں سے میل تھا، منافقوں کا سردار
 عبد اللہ بن ابی یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر اور بنی قینقاع کا ساتھی تھا،
 یہودیوں میں سب سے لڑاکا اور بہادر قبیلہ بنی قینقاع تھا، بدر کی فتح نے اس کو
 چونکا دیا، اس نے چاہا کہ شروع ہی میں اسلام کی طاقت کو ابھرنے سے رک جائے، چنانچہ
 یہود اور مسلمانوں میں صلح کا جو قول قرار تھا، اس کو توڑ کر اسی نے پہلے شرارت کی پہل کی،
 بنی قینقاع سے لڑائی شوال ۳ھ میں ایک اتفاقی واقعہ نے
 (شوال ۳ھ) چٹکاری کو اور بھڑکا دیا، ایک مسلمان بی بی

بنی قینقار کے محلہ میں کسی کام سے اُن کی دکان میں گئی، انھوں نے کوچھڑ کر بے حرمت کیا، یہ دیکھ کر ایک مسلمان آپ سے باہر ہو گیا، اور اس یہودی کو مار کر گرا دیا، یہودیوں نے اس مسلمان کو مار ڈالا، اس واقعہ نے بلوہ کی صورت اختیار کر لی، مسلمانوں نے پہلے ان کو بہت سمجھایا، مگر ان کو اپنے ہتھیاروں اور قلعوں پر اتنا ماز تھا کہ وہ صلح پر تیار نہیں ہوئے، اب مسلمانوں نے ان کو فیل کا گھونسہ سمجھ کر سب سے پہلے ان سے نپٹنا ضروری سمجھا،

لڑائی کا اعلان ہوا تو بنی قینقار نے اپنا قلعہ بند کر کے مقابلہ کیا، مسلمانوں نے ان کے قلعہ کو گھیر لیا اور پندرہ دن تک گھیرے رہے، مسلمانوں کی بر طاقت دیکھ کر قلعہ والے گھبرا گئے، آخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو فیصلہ کریں، وہ ہم کو منظور ہے، عبد اللہ بن ابی نے جو ان کا حلیف تھا، آکر آنحضرت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عرض کی کہ ان کی اتنی ہی سزا بہت ہے، کہ وہ یہاں سے نکال دیے جائیں، آپ نے منظور فرمایا، اور بنی قینقار بھی اس پر رضامند ہو گئے اور اپنی ساری زمین اور جائداد چھوڑ کر شام کے ملک میں چلے گئے،

مسلمان مبلغون کا بید و اقبل

آنحضرت (ﷺ) ایک دین لے کر آئے تھے، اس کے لیے لڑائی بھڑائی اور لوٹ مار کی کوئی ضرورت نہ تھی، مگر یہاں تک جو حال بڑھ آئے ہو، ان سے سمجھ گئے ہو گئے کہ جاہل اور نادان عرب کسی طرح مسلمانوں کو صلح اور امن و امان سے رہنے نہیں دیتے تھے، پہلے تو اکیلے قریش سے لڑائی تھی، انہی خطروں میں گھر کر جس طرح بن پڑتا تھا، مسلمان اس دین کی تبلیغ اور اسلام کی اشاعت کر رہے تھے، اور ابین کے کناروں اور بحرین کے علاقوں تک میں یہ تعلیم چلے چکے قبول کی جا رہی تھی۔

صفر ۳ھ میں قبیلہ کلاب کے رئیس نے خواہش کی کہ چند مسلمان داعیوں کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ وہ میری قوم میں جا کر اسلام کو پھیلائیں، اور لوگوں کو مسلمان بنائیں، آپؐ نے فرمایا، مجھے نجد کی طرف سے ڈر ہے اس نے کہا ان کا میں ضامن ہوں، اس پر اعتبار کر کے آپؐ نے ستر انصاری مبلغین اور معلموں کو اس کے ساتھ کر دیا، بنی سلیم کے علاقہ میں موذن نام ایک کنوین کے پاس پہنچ کر اس نیتے دستہ نے جس کا مقصد امن و سلامتی کی اشاعت کے سوا اور کچھ نہ تھا، بڑا دکھایا، اس اطراف کے رئیس عامر بن طفیل نے آکر ایک کے سوا سب کو گھیر کر قتل کر دیا، یہ ایک عمرو بن اُمیہ تھے، جنہوں نے مدینہ آکر اپنے ساتھیوں کی منظومی کی کہانی سب کو سنائی،

انہی دنوں میں عیش اور قارہ کے چند آدمی آپؐ کی خدمت میں آئے کہ ہمارے

قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، آپ چند مسلمانوں کو ہمارے ساتھ کر دیجیے، جو ہمارے
ہاں جا کر ہم کو اسلام کی باتیں سکھائیں، آپ نے دس آدمی ساتھ کر دیے، جب یہ تہمتا
قافلہ رجب کے مقام پر پہنچا، تو ان ظالموں نے اپنا عہد توڑ دیا، بنی حیان کے دو سو تر
چلانے والوں نے ان کو گھیر لیا، چند گنتی کے مسلمان ایک ٹیکرے پر چڑھ گئے، اور دو
کے سوا سب خدا کی راہ میں مارے گئے، جو دو بچ گئے، وہ خبیث اور زید تھے، ان
کو انھوں نے پکڑ کر مکہ لے جا کر قریش کے ہاتھ بیچ ڈالا، خبیث نے احد کی لڑائی میں
حارث بن عامر کو مارا تھا، اس لیے حارث کے لڑکوں نے ان کو خرید لیا، اور اپنے
باپ کے بدلہ میں ان کو سو لی ویکر مار ڈالا، سو لی پانے سے پہلے انھوں نے اپنی قاتلوں
سے اجازت مانگی کہ وہ دو رکعت نماز پڑھ لیں، انھوں نے اس کی اجازت دی، تو
انھوں نے اس کی اجازت دی، تو انھوں نے دو رکعت نماز ادا کی، اور اس وقت
سے یہ مسلمان شہیدوں کی رسم قرار پائی، سو لی پاتے وقت یہ شعر ان کی زبان پر تھا،
”جب میں اسلام کی راہ میں مارا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پروا نہیں

کہ میں کس پہلو پر مارا جاؤں گا“

زید کو ایک دوسرے قرشی نے اس لیے خریدا تھا کہ مکہ کے تماشائیوں کے
سامنے اس کے قتل کا رنگین تماشادکھائے گا، جب قاتل تلوار لے کر آگے بڑھا، تو
ابوسفیان نے پوچھا، سچ کہنا، اگر اس وقت تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل
کیے جاتے تو تم خوش نہ ہوتے، بولے خدا کی قسم! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ملو
کو کانٹوں سے بچانے میں میری جان بھی کام آتی، تو میری سعادت تھی، اس فقرہ
کے ساتھ ایک تلوار گری، اور ان کا سر دھڑ سے الگ تھا، اللہ اکبر! ان خدا کے

ہندون پر حق کتنے کیسا چھایا تھا۔

ابن ابی ایقہ کا خاندان یہودیوں میں ابن ابی ایقہ کا خاندان سب سے دولت مند تھا، بڑے بڑے یہودی عالم اس کے گھر سے تنخواہیں پاتے تھے، اسلام کی دشمنی میں اس خاندان کے کئی بڑے بڑے لوگ سب سے اگے تھے، کوب بن اشرف اس خاندان کا نواسہ تھا، اس کا باپ عرب اور مان اس خاندان کی یہودن تھی، اس لیے عربوں اور یہودیوں دونوں میں اس کا اثر تھا، اس کے سودی کاروبار کا یہ حال تھا کہ وہ عربوں کے بال بچوں اور یہودیوں تک کو قرض میں گرو رکھتا تھا، بدر کا واقعہ پیش آیا، تو اس کو رنج ہوا، شاعر بھی تھا، اس نے اس واقعہ پر پُر اثر شعر لکھے، اور خود مکہ جا کر قریش کے سرداروں سے ملا، اور ان کو بدر کا بدلہ لینے پر تیار کیا، مدینہ واپس آیا تو شریف انصاری بی بیوں کے نام لے لے کر اپنے شعروں میں ان سے عشق کا اظہار کرتا، اس سے انصار میں برہمی پھیلی، اور آخر ایک انصاری محمد بن سلمہ نے جا کر اس کو مار ڈالا، یہ ربیع الاول سترہ کا واقعہ ہے، یہود کے دوسرے بڑے بڑے آدمی جو اسلام کے دشمن تھے، ابو رافع سلام بن ابی ایقہ، کنانہ بن الربیع اور نجی بن اخطب تھے، جو بنی نضیر میں سے تھے۔

بنی نضیر کی جلا وطنی بنو نضیر یہودیوں کا دوسرا طاقتور قبیلہ تھا، اب (ربیع الاول سترہ) اس کے قریش سے ساز باز شروع کی، اور ان کو مدینہ کے کمزور حصوں کی اطلاع دینے لگے، ان سے اور مسلمانوں سے معاہدہ تھا، اس معاہدہ کی رو سے اگر کسی مسلمان یا بنی نضیر کے کسی آدمی کے ہاتھ سے کوئی مارا جاتا، تو دوسرے پر بھی اس کے خون کا روپیہ ادا کرنا ضروری تھا، اپنی عامر کے دو

آدمی ایک جنگی غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے اتفاق سے مارے گئے حالانکہ وہ
پس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا امن نامہ موجود تھا، ان مقتولین کے خون کا
مسلمانوں پر واجب ہوا، مسلمانوں نے بنو نضیر سے بھی اس شرکت کی خواہش کی
اور اسی لیے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے محلہ بن آگے، ظاہر بن تو اٹھوں
بڑی مستندی دکھائی اور شرکت پر آمادگی ظاہر کی، لیکن جھکراٹھوں نے چاہا کہ رسول اللہ
(صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو ایک دیوار کے نیچے کھڑے تھے، وہ پر سے ایک پتھر گرا کر مار ڈالے
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس کی خبر ہو گئی اور سیدھے اکیلے اٹھ کر مدینہ چلے آئے،

بنو نضیر نے کہلا بھیجا کہ آپ میں آدمیوں کو لے کر آئیں، ہم بھی اپنے عالموں
کو لے کر آئیں گے، اگر وہ آپ کی بات مان لیں گے، تو ہم کو کوئی عذر ہوگا، آپ نے
جواب دیا، کہ جب تک تم ایک عہد نامہ نہ لکھ دو، ہم کو تم پر اعتبار نہیں، لیکن وہ اس
پر رضی نہ ہوئے، یہود کا تیسرا قبیلہ جو بنی قریظہ کہلاتا تھا، آپ نے ان سے بھی دوبار
نئے عہد نامہ کی درخواست کی، اور اس نے قبول کیا، اب بنی نضیر نے بھی کہلا بھیجا
کہ ہم کو بھی یہ منظور ہے کہ آپ تین آدمی لے کر ہمارے ہاں آئیں، آپ نے منظور
فرمایا، لیکن راہ میں آپ کو معلوم ہو گیا، کہ یہود تلواریں باندھ کر تیار ہیں، کہ جب آپ
تشریف لائیں، تو آپ کو قتل کر دیں، آپ پھر واپس چلے آئے۔

بنی نضیر بڑے بڑے قلعوں کے مالک تھے، جن پر ان کو ناز تھا، اور مدینہ کے
منافق بھی ان کو شہ دے رہے تھے، اور کہلا بھیجتے تھے کہ تم دبنا نہیں، بنی قریظہ تمہارا
ساتھ دین گے، اور ہم بھی دو ہزار کی جمعیت سے تیار ہیں۔

مسلمانوں کو یہ حال معلوم ہوا، تو پیش بندی کر کے آگے بڑھے، اور بنی نضیر کے

لعمہ کو گھیر لیا، اور پندرہ روز تک گھیرے پڑے رہے، آخر وہ اس شرط پر راضی ہوئے
 جس قدر مال و اسباب اونٹوں پر لے جاسکیں لے جائیں، اور مدینہ سے باہر نکل جائیں
 پانچ سب گھروں کو چھوڑ کر اور اپنا مال و اسباب لا کر نکل گئے، اور ان میں سے ایک سے
 بڑے بڑے رئیس ابو رافع سلام بن ابی اھتق، کنانہ بن الربیع اور حیی بن اخطب
 بھی خیر چلے گئے،

————— ﴿ ۱۰۰ ﴾ —————

خندق یا اجزاب کی لڑائی

(ذیقعدہ ۱۰ھ)

بنو نضیر مدینہ سے نکلے تو نکل گئے، مگر خیر بنچکرا انھوں نے اپنی سازشوں کا جال سارے ملک عرب میں پھیلا دیا، ان کے رئیسوں نے کہہ جا کر قریش کو تیار کیا، قبیلہ غطفان کو خیر کی آدھی پیداوار کا لالچ دلا کر اپنے ساتھ ملا یا، بنی اسد ان کے حلیف تھے، وہ بھی اٹھے، غرض دس ہزار کی بھاری فوج مدینہ کی سمت روانہ ہوئی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب اس کا پتہ چلا تو مسلمانوں سے مشورہ کیا مسلمانوں کو احد کی لڑائی کا تجربہ ہو چکا تھا، حضرت سلمان فارسی چونکہ ایران کے تھے، اس لیے ایران کے جنگی طریقوں سے کچھ واقف تھے، انھوں نے رائے دی کہ شہر کے تین رخ تو مکاناتوں، اور نخلستانوں سے گھرے ہوئے ہیں، صرف ایک طرف کھلا ہوا ہے، ادھر خندق (گڈھا) کھود لی جائے، تاکہ دشمن اس سمت شہر میں گھسنے نہ پائیں، یہ رائے سب نے مان لی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تین ہزار مسلمانوں کے ساتھ باہر نکلے، اور خندق کھودنے کی تیاری شروع کر دی، تین ہزار متبرک ہاتھوں نے میں دین میں یہ کام پورا کیا، اور اس طرح پورا کیا کہ خود خدا کا رسول بھی ان میں ایک عام لہ یہ تاریخی واقعہ کا عرب ہے،

مزدور کی طرح کام کر رہا تھا، کئی کئی دن فائقے سے گزر رہے تھے، اس پر اسلام کے شیعہوں کا جوش ٹھنڈا نہیں ہوتا تھا، ہاتھوں سے مٹی کھودتے اور پیٹھوں پر اسکا لالہ لگا کر پھینکتے تھے، اور آواز میں آواز ملا کر یہ شعر گاتے تھے،

ہم بن جہنوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھ پر اس پر سبیت کی ہے کہ

جب تک جان میں جان ہے، ہم خدا کی راہ میں لڑتے جائیں گے۔“

دشمن اب قریب آگیا تھا، اس کے قریب آنے کی خبر سن سن کر بڑا دل منافقوں کے ہوش اڑے جا رہے تھے، جھوٹے بہانے کر کر کے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے یہودی کا اب ضرر ایک تیسرا قبیلہ بنو قریظہ مدینہ کے پاس رہتا تھا، اس کی روش صاف نہ تھی، اس لیے دوسو آدمیوں کا دستہ ان کی دیکھ بھال کے لیے الگ کر دیا گیا تھا،

بنو قریظہ اب تک کھل کر سامنے نہیں آئے تھے، بنی نضیر کا یہودی سردار حیی بن اخطب جواب خیر جا بسا تھا، دشمنوں کی فوج کے ساتھ آیا تھا، اس نے بنو قریظہ کے سردار کو جو مسلمانوں سے معاہدہ توڑنے پر اس لیے آمادہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ باہر کے لوگ تو چلے جائیں گے، پھر مسلمانوں کو اکیلے ہمیں سے نپٹنا پڑے گا، یہ کہہ کر بلالیا کہ میں اس وقت محمد کے خلاف سارے عرب کو اٹھا کر لایا ہوں، ان کی طاقت کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دینے کا موقع پھر اس سے بہتر ہاتھ نہیں آئے گا، اس دلیل سے لاچار ہو کر وہ بھی دشمنوں سے مل گیا، اور حیی نے اس کو یقین دلایا کہ اگر قریش اور غطفان تم کو بے پروا کر دے گا تو چلے جائیں گے، تو ہم تمہارا ساتھ دین گے،

کفار میں دن تک مدینہ کے گرد گھیر ڈالے پڑے رہے، اور شہر پر حملہ کرنے کی کوئی راہ نہیں پاتے تھے، ایک جگہ خندق کی چوڑائی کم تھی، ایک دن انھوں نے

بڑی تیاری کر کے اسی رخ سے حملہ کرنا چاہا، عمر بن ود جو قریش کا سب سے بڑا بہادر تھا گھوڑا کو داکر اس پار آگیا، ادھر سے ذوالفقار والا ہاتھ بڑھا، اور ایک ہی وار میں تلوار شان تک اتر آئی، حضرت علیؑ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور فتح کا اعلان ہو گیا۔

حملہ کا یہ دن بڑا سخت گذرا، دشمن ہر طرف سے تیرا در پتھر برسارے تھے، عورتیں جس قلعہ میں محفوظ تھیں، وہ بنی قریظہ کے پاس تھا، بنو قریظہ نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان تو ادھر بچنے ہیں، ادھر اس خالی قلعہ پر قبضہ کر لیا جائے، ایک یہودی قلعہ کے بھائی ایک پر پہنچ چکا تھا، کہ حضرت زبیرؓ کی ان ٹہنیوں نے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بھو بھی تھیں، بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا، اور اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیا، یہ دیکھ کر بنی قریظہ سمجھے کہ قلعہ میں بھی کچھ فوج ہے، اس لیے ادھر ہمت نہ کی۔

محاصرہ جتنا طول پکڑتا جاتا تھا، دشمنوں کا میل ملاپ آپس میں کم ہوتا جاتا تھا، غطفان کا قبیلہ مدینہ کی کچھ پیداوار سالانہ لے کر لوٹنے پر آمادہ تھا، اس کے ایک رئیس نے جو درپردہ مسلمان ہو چکے تھے، مگر ان کا مسلمان ہونا ابھی سب کو معلوم نہ تھا، قریش اور یہود باکر الگ الگ ایسی باتیں کہیں جس سے دونوں میں بھوٹ بڑگئی، خدا کا کرنا کہ انہی دونوں میں ایک رات ایسی تیز آندھی چلی کہ دشمنوں کے خیموں کی رسیاں اکھڑا کھڑ گئیں، گھانے کی ہڈیاں چوڑھوں پر الٹ الٹ جاتی تھیں، سردی میں ہوا کی اس تیز بارش نے بھی کفار کے دل کپکپا دیے،

ان سب باتوں نے مل جل کر ساتھی فوجوں (احزاب) کے پاؤں اکھاڑ دیے، بنی قریظہ ان کا ساتھ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے گئے، غطفان بھی روانہ ہو گئے، یہ دیکھ کر قریش بھی ناجائز محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے، اور مدینہ کا کنارہ میں بائیس دن تک غبار میں اکر بھر جاتا ہو گیا۔

بنی قریظہ کا خاتمہ

بنی قریظہ نے ایسے نازک موقع پر مسلمانوں کے ساتھ جو بد عہدی کی وہ معاہدہ کرنے کے قابل نہ تھے، یحییٰ بن اخطب جو عربوں کے اس جتھے کا بانی تھا، بنی قریظہ کے ساتھ ان کی امان میں تھا، اس لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کفار کی اس متحدہ فوج کا شیرازہ بکھرنے کے ساتھ ہی بنو قریظہ کی طرف رخ کیا، ان کے قلعے بند ہو گئے، مسلمان ایک مہینہ تک ان کا گھیرا کیے پڑے رہے، آخر انھوں نے توجہ خواست کی کہ ان کا معاملہ ان کے حلیف قبیلہ اور اس کے مسلمان سردار سعد بن معاذ کے سپرد کیا جائے، وہ جو فیصلہ کریں ان کو خوشی سے منظور ہوگا، سعد بن معاذ خندق کی لڑائی میں ایک تیر کا زخم کھا کر نہ ٹھہرا تھا، پھر بھی وہ آئے، ان کے قبیلہ کے لوگ یہ چاہتے تھے، کہ ان کی خطا معاف کر دی جائے، مگر سوچنے نہ مانا، اور یہ فیصلہ کیا کہ ان میں جو لڑنے کے قابل ہوں وہ قتل کر دیے جائیں، اور عورتیں اور بچے قید ہوں اور مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے، اسی فیصلہ پر عمل ہوا، اور یہود کے اس تیسرے قبیلہ کا بھی خاتمہ ہوا، اور ان سرمایہ داروں کی زمینیں اور جائیدادیں غریب کام کرنے والے مسلمانوں میں بانٹ دی گئیں،

اسلام قانون کی صورت میں

اسلام جس دن سے دین بنکر آیا، اسی دن سے وہ سلطنت بھی تھا، دین اور دنیا کی الگ الگ تیز اس کی تعلیم میں نہیں، دنیا کی زندگی میں خدا اور اس کی مخلوق کے جو فرض ہم پر ہیں، ان کو خوبی کے ساتھ ادا کرنا ہی دین ہے، اس لیے حکومت اور سلطنت ہمارے دین سے کوئی الگ چیز نہیں، بدینہ منورہ جیسے اسلام کام کر رہا تھا، اس کی سیاسی قوت کام کر رہی بنتا جاتا تھا، اسلام جہاں تک پہنچتا تھا، وہاں تک اس کی حکومت کی حد بڑھ کر امن و امان قائم ہو جاتا تھا، چوریاں موقوف ہو جاتی تھیں، ڈاکے بند ہو جاتے تھے، بد کلدیوں مٹ جاتی تھیں، اور عربوں کی بے نظام زندگی کی جگہ اسلام کی مرتب زندگی شروع ہو جاتی تھی، امام، موذن، محصل اور قاضی مقرر ہونے لگتے تھے، اور اسلامی قانون کی حکومت سب پر ایک ساتھ جاری ہو جاتی تھی۔ اسلام نے شروع شروع میں صرف عقیدوں کی درستی پر زور دیا، جب یہ مقصد کچھ کچھ چل نکلا، تو خدا کی عبادت و طاعت کا سبق پڑھایا، جب طبیعتیں اودھ بھی متوجہ ہوئیں تو اسلام کا قانون اٹھنے لگا۔

اس سے پہلے تو یہ حال تھا کہ باپ مسلمان تو بیٹا کافر، مان اسلام لائی ہے تو بیٹی کافرہ ہے، شوہر مسلمان ہو چکا مگر بیوی ابھی تک کفر کی حالت میں ہے، بدینہ کے بعد مسلمانوں میں اطمینان کی خاندانی زندگی پیدا ہونے لگی، اور لڑائیوں کے سبب سے

مارے جانے والوں کی تعداد بھی بڑھی ہوگی، اس لیے سہ ماہی میں وراثت کا قانون اتر
 لڑکیاں جو عربوں میں ترکہ پانے کا حق نہیں رکھتی تھیں، اسلام نے ان کو بھی ان کا جائز
 حق دیا، اب تک مشرک عورتوں سے مسلمان نکاح کر لیتے تھے، اب وہ موقع آیا کہ
 گھر کی اندرونی زندگی کے سکھ اور چین کے لیے ان سے نکاح ناجائز ٹھہرا،

سہ ماہی میں بدکاری کی روک تھام کے لیے مجرم کو پتھروں سے مار ڈالنے
 کا حکم جو تورات میں تھا، جاری کیا گیا، بعضے کہتے ہیں کہ شراب کا پینا بلا نا بھی اسی سال بند
 عرب میں منہ بولے بیٹوں کا رواج تھا جن کو شہتی کہتے ہیں، اور جن کے ساتھ
 حقیقی بیٹوں کا معاملہ کیا جاتا تھا، اور ان کی بیویاں حقیقی بیویں سمجھی جاتی تھیں،
 میں اسلام نے اس وہمی نسب کا خاتمہ کیا، جاہلیت کے زمانہ میں عورتیں بناؤ سنگا
 کر کے مہلوں ٹھیانوں میں اور مردوں کی مٹھانوں میں بے روک ٹوک آتی جاتی تھیں،
 جن سے معاشرت کی بذامی تھی، اسلام نے سہ ماہی میں ان باتوں کی مناسب اصلاحیں
 کیں گھر سے نکلیں تو ایک بڑی چادر اوڑھ لیں، سینہ پر پچھل ڈالیں، گھونگرو، اور
 بجنے والے زیور پہن کر دھماکے سے نہ چلیں، مردوں سے لوح کے ساتھ باتیں
 نہ کریں، گواروں کے لیے بدکاری کی سزا سو کوڑے مقرر ہوئی، بعض قسم کی طلاق
 کی اصلاح کی گئی،

اسلام کیلئے دُرُک

آج سے کچھ سال پہلے اسلام کے راستہ میں مشکاؤن کا پہاڑ کھڑا تھا لیکن اب اللہ تعالیٰ کے فضل و حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعجاز، اخلاق، اور تدبیر اور مسلمانوں کے اخلاص، ایثار اور کوششوں سے وہ ایک ایک کر کے دور ہو گئیں، اور اب اسلام کی ترقی کی راہ میں دو ہی روک رہ گئے، ایک مکہ کے مشرک اور دوسرے خیبر کے یہود۔ مکہ کے مشرکوں سے حضور صرف یہ چاہتے تھے کہ وہ اسلام کو امن و امان سے آگے بڑھنے دیں، اور جو لوگ غوثی سے اس حلقہ میں آنا چاہیں ان کو یہ موقع دیا جائے کہ میں غریب اور کمزور مسلمان بچوں، عورتوں اور بے بس مسلمانوں کو جو نظر بند کر رکھا ہے، ان کو مدینہ آنے دیا جائے، اور مسلمانوں کو مکہ آنے جانے اور کعبہ کے طواف اور حج کی آزادی ملے، خیبر کے یہودیوں سے اتنا ہی چاہا جاتا تھا کہ اگر اسلام کے دین میں آنا نہیں چاہتے تو وہ اس کی سیاسی طاقت کے آگے سر جھکا دیں تاکہ ملک میں ایک قسم کا نظام کھڑا کیا جاسکے،

حَدِیبِہ کی صلح

(ذیقعدہ ۶ سنہ ۶)

اب مسلمانوں کی بڑی خواہش تھی کہ وہ مکہ جا کر خانہ کعبہ کے طواف اور زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں جس کے دیہار سے وہ سا لہا سال سے محروم کر دیے گئے تھے، اسی ارادہ سے آپ جو وہ مسلمانوں کو ساتھ لے کر مکہ کو روانہ ہوئے، لڑائی کی نیت بالکل نہ تھی، مخالفت تھی کہ تلواروں کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ لیا جائے اور تلواریں بھی بنیامین ہوں، قربانی کے اونٹ ساتھ تھے، اور عرب کا یہ بچہ جانتا تھا کہ جو سفر اسی مقدس غرض سے کیا جائے، اس میں لڑنا کیا، تلوار اٹھانا بھی جائز نہیں،

جب آپ مکہ کے قریب پہنچے، تو ایک مخبر کو حال دریافت کرنے کے لیے مکہ بھیجا، وہ خبر لایا کہ قریش ایک بڑی جمعیت ساتھ لے کر مسلمانوں کو روکنے کی غرض سے آگے بڑھ رہے ہیں، آپ راستہ کتر کر حدِیبِہ کے مقام پر اتر پڑے، اور ایک سفیر قریش کے پاس یہ پیغام دیکر بھیجا، کہ ہم صرف عمرہ ادا کرنے آئے ہیں، لڑنا مقصود نہیں، اور بہتر یہ ہے کہ قریش تھوڑی مدت کے لیے ہم سے صلح کا

لے ایک چھوٹا ج

معادہ کر لیں، اور مچھکو عرب کے ہاتھوں میں چھوڑ دیں،

سفیر نے قریش کے سرداروں کے سامنے جا کر یہ تقریر کی، عروہ بن مسعود ثقفی
ایک نیک دل سردار نے قریش سے کہا، کیا تمہیں مجھ سے کوئی بدگمانی تو نہیں، انھوں
نے کہا نہیں، تب اس نے کہا کہ مجھے اجازت دو کہ محمد سے مل کر اس معاملہ کو طے کروں،
لوگوں نے رضامندی ظاہر کی، تو وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا، اور قریش کا پیغام
سنایا، عروہ نے یہاں پہنچ کر مسلمانوں کے روحانی انقلاب کا جو تماشا دیکھا، اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی حیرت سے بھری عقیدت کا جو حال اس کے دیکھنے
میں آیا، اس نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا، قریش سے جا کر کہا، کہ میں نے قیصر اور
کسریٰ اور نجاشی کے دربار دیکھے ہیں، عقیدت اور محبت کی یہ تصویر مجھ کو کہیں نظر
نہیں آئی، محمد بات کرتے ہیں تو ہر طرف سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی ادب نظر بھر کر
ان کی طرف نہیں دیکھتا، وضو کرنے میں جو قطرے گرتے ہیں، عقیدتمند ان کو
لے کر ہاتھ اور چہرہ پر ملتے ہیں،

اس پر بھی بات ناتمام رہی، آپ نے پھر ایک سفیر بھیجا، قریش نے اس پر
حملہ کیا، لیکن ذبح کیا گیا، اب قریش نے لڑنے کو ایک دستہ آگے بھیجا، مسلمانوں نے
اس کو پکڑ لیا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوڑ دیا، اور معافی دے دی، اور
حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر کہہ بھیجا، وہ اپنے ایک عزیز کی حمایت میں مکہ گئے، اور آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، قریش نے ان کو قید کر لیا، اور مسلمانوں تک یہ خبر
پہنچی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے، مسلمانوں میں بڑا جوش پیدا ہوا، آپ نے
فرمایا عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے، یہ کہہ کر بول کے ایک درخت کے نیچے

بیٹھ گئے، اور صحابہؓ سے جان نثاری کی بیعت لی، اسی کا نام بیعت رضوان ہے، یعنی
 خدا کی خوشنودی کی بیعت، کیونکہ اس کے بارہ میں خدا نے قرآن میں اپنی خوشنودی ظاہر فرم
 بعد کو معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی خبر صحیحہ نہ تھی، لیکن مسلمانوں کے
 اس جوش و خروش اور صداقت کا یہ اثر ہوا کہ قریش ہمت ہار گئے، انھوں نے بھی اپنا
 ایک سفیر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجا، اور پہلی شرط پیش کی کہ مسلمان اس
 سال واپس جائیں، اور اگلے سال آئیں، اور تین دن رہ کر واپس جائیں کچھ عرصہ وہاں
 کے بعد دس سال کے لیے لڑائی موقوف ہوئی، اور یہ شرطیں منظور ہوئیں، کہ مسلمان
 اس سال واپس جائیں، اور اگلے سال تین دن کے لیے آئیں، تلوار کے سوا کوئی ہتھیار
 ساتھ نہ ہو، اور تلواریں بھی میان میں ہوں، جاتے وقت مکہ میں جو مسلمان رہ گئے ہوں انکو
 اپنے ساتھ نہ لے جائیں، قریش میں سے کوئی مسلمان ہو کہ مدینہ چلا جائے تو واپس
 کر دیا جائے، اور اگر کوئی مسلمان مدینہ چھوڑ کر مکہ چلا آئے تو وہ واپس نہ کیا جائے
 عرب کے قبیلوں میں سے جو جس فریق کے ساتھ چاہے، معاہدہ میں شریک ہو جائے
 اس معاہدہ کے بعد مسلمان مدینہ واپس چلے آئے،

اسلام کی جیت

معاہدہ کی یہ شرطیں گونطاہرین کڑی تھیں، اور اسی لیے جوش بین بھرے ہوئے کچھ مسلمانوں کو ان کے ماننے میں تامل ہو رہا تھا، مگر جب خود خدا کا رسول ان کو مان چکا تھا، تو پھر کس کو ہنکار کی جرات ہو سکتی تھی، چدرہ دونوں کے بعد معلوم ہو گیا، کہ یہ شرطیں اسلام کے حق میں بے حد فائدہ کی تھیں،

اب تک مسلمان جس اصول کی خاطر قریش سے مقابلہ کر رہے تھے، وہ یہ تھا کہ اسلام کو اپنی اشاعت کی آزادی کا حق ملے، اور قریش اس راہ کے روڑا نہ بنیں، قریش کو اس کے ماننے سے اب تک انکار تھا، حدیبیہ کی صلح نے اس اصول کو منوالیا، اور اسلام کو اپنی اشاعت کی آزادی کا حق مل گیا، اور یہی اس کی جیت تھی، خود خدا نے قرآن میں آیت آماری:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا
ہم نے تجھے کھلی ہوئی فتح عنایت کی

دنیا کے بادشاہوں کو اسلام کی دعوت

(۱۰)

اسلام کو اپنی زندگی کے انیسویں برس یہ موقع ملا کہ وہ دنیا کو اطمینان کے ساتھ اپنا پیغام سنا سکے، اس زمانہ میں لوگ اپنے اپنے رئیسوں اور بادشاہوں کے تابع ہوتے تھے، جو وہ کرتے تھے، وہ سب کرتے تھے، اس لیے آپ نے ایک دن مسلمانوں کو مسجد میں جمع کر کے فرمایا، لوگو! خدا نے مجھے ساری دنیا کی رحمت بنا کر بھیجا ہے، اب وقت آیا ہے کہ تم اس رحمت کو دنیا والوں میں بانٹو، اٹھو! اور حق کا پیغام ساری دنیا کو سناؤ اس کے بعد آپ نے اپنے ساتھیوں میں سے چند ہوشیار مسلمانوں کو چنا، اور ان کو اسلام کی دعوت کے خطرے کے آس پاس کے رئیسوں اور بادشاہوں کے پاس بھیجا، یوحنا کے رئیسوں کو چھوڑ کر یوحنا سے ملی ہوئی بادشاہتیں، یحییٰ، عیسیٰ، اور

روم، مصر،

جس کے بادشاہ نے اسلام قبول کیا، ایران کے شہنشاہ نے اس خط کو غصے سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، آپ نے فرمایا، اللہ یوں ہی اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرے گا، یہ پیشین گوئی حرف حرف پوری ہوئی، مصر کے بادشاہ نے گو اسلام قبول

لے لیا

نہیں کیا، لیکن حضور کے خط کا جواب شکستگی سے دیا، روم کا قیصر اس وقت ساری شہر
عیسائی دنیا کا بارشاہ تھا، اس نے خط پا کر حکم دیا کہ حجاز کے سوداگر اگر کہیں ملین تو ان کو
بلواؤ، کیا عجیب بات ہے کہ اس کام کے لیے وہ شخص ہاتھ آیا، جو اس وقت اسلام کا سب سے
بڑا دشمن تھا، یعنی ابوسفیان، ابوسفیان اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ قیصر کے دربار
میں حاضر کئے گئے، قیصر نے ان سے کہا، میں تم سے کچھ پوچھتا ہوں، تم میں سے ایک
آدمی جواب دے، اور باقی سنین، اگر یہ کچھ غلط کہے تو تم ٹوک دو، یہ کہہ کر اس نے
پوچھا، اور ابوسفیان نے جواب دیا:

قیصر یہ جو پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اس کا خاندان کیسا ہے؟

ابوسفیان شریف،

قیصر اسکے خاندان میں سے کسی اور نے کبھی پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا تھا؟

ابوسفیان نہیں،

قیصر اس کے خاندان میں کوئی بادشاہ بھی ہوا تھا؟

ابوسفیان نہیں،

قیصر جہنوں نے اس کے مذہب کو قبول کیا ہے، وہ کمزور لوگ ہیں

یا بڑے بڑے رئیس ہیں؟

ابوسفیان کمزور،

قیصر اس کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جا رہے ہیں؟

ابوسفیان بڑھتے جا رہے ہیں،

قیصر کبھی تم لوگوں کو اس کے جھوٹ بولنے کا بھی تجربہ ہے؟

ابوسفیان نہیں

قیصر

وہ کیا بھی قول و قرار کر کے پھر بھی گیا ہے؟

ابوسفیان

اب تک تو ایسا نہیں کیا، اب جو معاہدہ اس سے ہوا ہے

دیکھیں وہ اس کو پورا کرتا ہے یا نہیں،

کیا تم بھی اس سے لڑے بھی ہو؟

قیصر

ابوسفیان

ہاں،

لڑائی کا نتیجہ کیا رہا؟

قیصر

ابوسفیان

کبھی ہم جیتے کبھی وہ،

وہ کیا کہتا ہے؟

قیصر

ابوسفیان

یہ کہتا ہے کہ ایک خدا کو مانو اور اسی کو پوجو، اسی سے

دعائیں مانگو، نماز پڑھو، پاکباز بنو، سچ بولو، رشتہ کا حق ادا کرو

قیصر ابوسفیان کے یہ سب جواب سن کر بول اٹھا، کہ اگر تم نے سچ کہا ہے

تو ایک دن ایسا آئے گا کہ وہ میرے پاؤں کے نیچے کی اس مٹی پر بھی قبضہ کر لے گا،

اگر ہو سکتا تو میں جاتا اور اس کے پاؤں دھو تا،

ایک دشمن کی زبان سے اتنی سچی شہادت کی مثال کہیں اور مل سکتی ہے؟

عرب کے کئی رئیسوں نے اسلام کو قبول کیا، بحرین میں اسلام کا پیام اس سے پہلے

پہنچ چکا تھا، اور عبد القیس کا قبیلہ یہاں مسلمان ہو چکا تھا، حبش کے جانے والے

مسلمانوں کے ذریعہ سے اس ملک میں بھی یہ مذہب پھیل رہا تھا، بلکہ یمن کے کناروں

تک اس کی آواز پہنچ چکی تھی، وہاں اس کا قبیلہ بہت پہلے مسلمان ہو چکا تھا،

اشعر کا قبیلہ بھی اسلام کا نام لینے لگا تھا،

عمر بن عبدیہ جو سلیم کے قبیلہ سے تھے، گو مکہ ہی کے زمانہ میں مسلمان ہو چکے تھے اب جا کر جب ان کو لوگوں کی زبانی مدینہ میں اسلام کی ترقی معلوم ہوئی تو مدینہ آکر اپنے اسلام کا اعلان کیا، ان کے مسلمان ہونے کا قصہ بڑا دلچسپ ہے،

ان کو کسی طرح پہنچا کہ مکہ میں کوئی پیغمبر پیدا ہوا ہے، وہ اس کے مشتاق ہو کر مکہ پہنچے، یہاں اس وقت کافروں کا بہت نرغہ تھا، مگر وہ کسی طرح چھپ کر آپ کی خدمت میں پہنچ گئے، اور پوچھا آپ کون ہیں، فرمایا میں پیغمبر ہوں، بولے پیغمبر کس کو کہتے ہیں؟ ارشاد ہوا کہ مجھے خدا نے پیغام دے کر بھیجا ہے، دریافت کیا کیا پیغام دیکر بھیجا ہے، فرمایا، یہ پیغام کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے، بت توڑے جائیں، خدا کو ایک مانا جائے، اور کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھہرایا جائے، عمرؓ نے پوچھا کہ اب تک آپ کے مذہب کے ماننے والے کتنے ہوئے ہیں؟ فرمایا ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ) عمرؓ نے کہا میں آپ کے مذہب میں آنا چاہتا ہوں، فرمایا، ابھی تو ایسا نہیں ہو سکتا، تم دیکھتے ہو کہ لوگوں کا کیا حال ہے، ابھی اپنے گھر واپس جاؤ جب میری کامیابی کا حال سنا تو آنا، اس خدا کے بندے کو اب جب پیغمبر علیہ السلام کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو دوڑ کر آیا، غفار کا اودھ قبیلہ حضرت ابوذر غفاریؓ کے کہنے سے پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، اور اودھ اس وقت مسلمان ہوا، جب آپؐ مدینہ آئے جہینہ کے قبیلہ نے ایک ساتھ ایک ہزار کی جمعیت سے اسلام قبول کیا، اسی طرح اسلم، خزیمہ اور اشجع کے قبیلوں نے اس سچائی کی آواز کو سنا اور قبول کیا،

جدیہ کی صلح، اسلام کی فتح کا نظارہ تھا، غرض تو یہ تھی کہ لڑائی بھڑائی دور ہو،

و دشمنی اور عداوت کا جذبہ ٹھنڈا ہو، اور مخی لفت کا رنگ بھیکا پڑے، اور لوگوں کو اسلام کے روحانی انقلاب کے دیکھنے اور اسلام کی تعلیم سمجھنے کا موقع ملے، حدیبیہ کی صلح نے یہ موقع بہم پہنچایا، کافروں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے، ان کی باتوں کو سننے، اور ان پر غور کرنے کا موقع ملا، تو نتیجہ یہ ہوا کہ دو برس کے اندر اندر مسلمانوں کی تعداد دو گنی ہو گئی، خود مکہ کے ہر گھر میں اسلام پہنچ چکا تھا۔

قریش کے دو بڑے جرنیل خالد بن ولید اور عمر بن العاص تھے، دیکھ چکے ہو کہ اُحد کے میدان میں حضرت خالد کی جنگی ہمارے مسلمانوں کی جیتی ہوئی لڑائی ہرادی، حدیبیہ کی صلح ہو چکی، تو وہ مکہ سے نکل کر یہاں پہنچے، راستہ میں عمر بن العاص ملے، پوچھا کہ ہر کا قصد ہے، بولے مسلمان ہونے جا رہا ہوں، عمرو نے کہا میرا بھی یہی ارادہ ہے، دو دن کے ساتھ مدینہ پہنچے، اور اسلام کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے، آگے چل کر ان میں ایک (خالد) وہ ہوا جس نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا، اور دوسرے (عمرو) نے مصر کی سلطنت رومیوں سے لیکر اسلام کے قدموں پر ڈال دی،

ایک روایت میں ہے کہ عمرو بن العاص کے دل پر اسلام کا اثر یوں پڑا کہ جن یون اسلام کا قاصد اسلام کا پیغام لیکر حبش کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں پہنچا تو عمرو وہیں تھے، وہاں انھوں نے دیکھا کہ حبش کا بادشاہ اس سلطنت کے باوجود اس کا ہر پڑھنے لگا، تو ان پر بڑا اثر ہوا، آخر وہ اس اثر کو چھپانہ سکے، اور مکہ واپس آکر مسلمان ہو گئے،

قیصر کے دربار میں ابوسفیان نے اسلام کی صداقت کا ہوشیار دیکھا، وہ بھی اپنے اثر نہیں رہا، مگر پھر بھی ابھی وقت کا انتظار تھا،

یہود کا آخری قلعہ

خیبر

آخری ستر یا شروع ستر

اب یہود کی آبادی حجاز کے ہر گوشہ سے سمٹ کر حجاز کے آخری کنارہ پر ملک شام کے قریب خیبر میں اکٹھی ہو گئی تھی، یہاں ان کی بڑی بڑی کوٹھیاں اور قلعے تھے، اور اب یہود یہاں اسلام کے مقابلہ میں آخری سہارا لینے کے لیے زور لگا رہے تھے، ان کا ایک سردار ابو رافع سلام بن ابی اہیق جو حجاز کا سوداگر کہلاتا تھا، ستر میں غطفان وغیرہ قبیلوں کو لے کر مدینہ پر وٹھا د کرنے کا ارادہ کر رہا تھا، کہ ایک انصاری مسلمان کے ہاتھ سے اپنے قلعہ میں سوتا ہوا مارا گیا،

سلام کی جگہ اب اسیر بن رزام نے لی، اس نے بھی ان ہی قبیلوں میں دور کر کے ایک بھاری فوج تیار کی، مدینہ میں خبر پہنچی، تو آپ نے تحقیق کے لیے آدمی بھیجے، انھوں نے اگر تصدیق کی، آپ نے صلح کے لیے کچھ آدمی بھیجے، اور اسیر کو مدینہ بلایا، کہ صلح کی ہو جائے، وہ تیس آدمیوں کو ساتھ لے کر چلا، راستہ میں اس کے دل میں کیا بات آئی کہ چاہا کہ مسلمان دستہ کے افسر کے ہاتھ سے تلوار چھین لے، اس پر دونوں طرف تلواریں چلین، اور اسیر اس میں کام آیا،

اب خیر والون نے غطفان والون کو نخلستان کی آدھی پیداوار دینے کا لالچ دیکر اپنے ساتھ ملا لیا، غطفان کے ایک قبیلہ بنو فزارہ نے یہ ہمت کی کہ محرم شہ میں مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا، اور ایک مسلمان کو قتل کیا،

اب مسلمانوں کے صبر کا پیالہ بھر گیا، خیر کے حملہ کا اعلان ہوا، سوتہ سوتہ مسلمان جہاد کے شوق میں آپ کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے، فوج کے ساتھ کچھ مسلمان بی بیان بھی آئی تھیں، تاکہ یاسون کو پانی پلا سکیں، زخمیوں کی مرہم لپی کر سکیں، لڑائی کے میدان سے تیراٹھا کر لائیں، یہ پہلا موقع تھا کہ اسلام کی فوج نے پھر برا اڑایا، تین جھنڈے تیار ہوئے، ایک حجاب بن منذر کو، اور دوسرا سعد بن عبادہ کو اور تیسرا جس کا پھر یہ حضرت عائشہؓ کی اور ٹھنی سے بنایا گیا تھا، اسلام کے شیر حضرت علی رضی کو سپرد ہوا، راستہ میں اس مقدس فوج کا ترانہ یہ تھا،

” خداوند اگر تونہ ہوتا، تو ہم کو یہ ہدایت نہ ملتی، ہماری جانیں قربان، ہم کو معاف کر دے، اور ہم پر قسلی آمار، اور ہمارے قدم جا، ظالموں نے ہماری طرف ہاتھ بڑھائے ہیں، اور قتلہ کھڑا کرنا چاہا ہے، تو ہم ان سے دبنے والے نہیں تیری مہربانی سے ہم بے نیاز نہیں ہو سکتے“

ایمان کا یہ جوش سے بھرا ہوا دریا یوں اُٹھ اُٹھ چلا جا رہا تھا، کہ رات کے اندھیرے میں خیر کے قلعہ سے ٹکرایا، موقع تھا کہ رات کی تاریکیوں میں ان پر حملہ کر دیا جاتا، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، اور حکم دیا کہ صبح کا انتظار کیا جائے، صبح ہوئی، اور یہودیوں نے حسب معمول قلعوں کے چٹانک کھولے، تو سامنے فوج بڑی دیکھی، بکا رہائے کہ محمدؐ کی فوج! آپ اب تک لڑنا نہیں چاہتے تھے، اس لیے اب بھی حملہ کا حکم نہیں دیا

لیکن یہود نے صلح کے بجائے لڑائی کی ٹھانی، یہ دیکھ کر آپؐ نے مسلمانوں کو پہلے نصیحتیں فرمائیں، پھر جہاد کا حکم سنایا،

مسلمانوں نے پہلے ناعم نام قلعہ پر دھاوا کیا، محمود بن مسلمہ ایک بہادر مسلمان اس دستہ کے افسر تھے، وہ بہت اچھی طرح لڑے، لیکن گرمی کے دن تھے، وہ ذرا دم لینے کو قلعہ کی دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ یہودی سردار کنانہ چپکے سے دیوار کے اوپر چڑھ گیا اور وہاں سے چلی کا پاٹ ان کے سر پر گرایا جس کے صدمہ سے وہ مر گئے، لیکن اس قلعہ کے دروازے مسلمانوں نے کھول لیے، قلعہ پر مرحب نام ایک مشہور یہودی بہادر مقرر تھا، اس کے مقابلہ کے لیے کئی روز تک بڑے بڑے صحابہ فوجیں لیکر گئے، لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا، جب لڑائی زیادہ بڑھی، تو ایک دن شام کو آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ کل میں جھنڈا اسی شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا، اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے، اور خدا اور خدا کا رسول اس کو چاہتے ہیں یہ رات امید اور انتظار کی رات تھی، بڑے بڑے صحابیوں نے ساری رات اس انتظار میں کاٹی کہ دیکھیے کہ فخر کی یہ دولت کس کے ہاتھ آئے گی،

صبح ہوئی تو ناگاہ کا نون میں آواز آئی "علی کہاں ہیں؟ ان کی آنکھوں میں درد تھا، وہ بلائے گئے، آپؐ نے ان کی آنکھوں میں اپنے منہ کا لعاب لگایا، اور دعا فرمائی، اور خیبر کی فتح کا جھنڈا عنایت ہوا، عرض کی کہ کیا یہود کو لڑاکر مسلمان بنالوں، فرمایا، نرمی کے ساتھ ان کے سامنے اسلام کو پیش کرو، اگر ایک آدمی بھی تمہاری ہدایت سے مسلمان ہو جائے تو یہ سرخ اوتھون کی دولت سے بہتر ہے،

مرحب قلعہ سے اپنی بہادری کا یہ گیت گاتا ہوا نکلا۔

”خیر جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں، اسلحہ میں ڈوبا ہوا تجربہ کار بہادر ہوں۔“

مرحب کے جواب میں خدا کے شیر نے یہ شعر پڑھا۔

”میں وہ ہوں کہ میری مان نے میرا نام شیر رکھا تھو جگل کے شیر کی طرح

ڈراؤنا ہوں۔“

خدا کے شیر نے اس زور سے تلوار ماری کہ اس کے سر کو کاٹتی ہوئی دانتوں تک اتر آئی، مرحب مارا گیا، اور قلعہ کا پھاٹک مسلمانوں کے ہاتھوں میں تھا، لڑائی میں پندرہ مسلمان کام آئے، یہودیوں نے صلح کر لی، اور صلح کی شرط یہ ٹھہرائی کہ زمین ہمارے قبضہ میں چھوڑ دی جائے، پیداوار کا آدھا حصہ ہم مسلمانوں کو دیا کریں گے، یہودیوں کی یہ درخواست منظور ہوئی، یہ گویا زمینداری کا پہلا سبق تھا، جو یہودیوں نے مسلمانوں کو سکھایا، اور آنحضرت ﷺ نے ان پر ترس کھا کر اس کو قبول کر لیا، خیبر کی آدھی زمینوں کی ملکیت لڑنے والے مسلمانوں کو دی گئی، اور آدھی اسلامی خزانہ کی ملکیت قرار پائی، اسی میں آنحضرت ﷺ کے لیے بھی پانچواں حصہ (خمس) مقرر ہوا، جس کی آمدنی آپ کے گھر کی ضرورتوں اور اسلام کی دوسری مصلحتوں میں کام آتی،

سال میں بٹائی کا جب وقت آتا، تو آنحضرت ﷺ عبد اللہ بن رواحہ صحابی کو خیمہ بھیج دیتے، وہ جا کر ساری پیداوار کے ڈھیر کو دو برابر حصوں میں بانٹ دیتے اور یہود سے کہتے، ان دو میں سے جو چاہو تم لے لو، یہودی کی آنکھوں کے لیے اس عدل و انصاف کا نظارہ بالکل نیا تھا، وہ کہہ اٹھتے تھے کہ زمین و آسمان اسی عدل سے قائم ہیں۔“

فتح کے بعد آپ چند روز خیرین ٹھہرے، اگرچہ یہود کے ساتھ پوری
 مراعات برتی گئی تھی، اور ان کو ہر طرح امن و امان بخشا گیا تھا، مگر پھر بھی ان کی فطری
 بدنیتی نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا، ایک یہودی عورت نے آپ کی اور آپ کے ساتھ
 آپ کے کچھ ہمراہیوں کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا، آپ نے مقدمہ میں رکھ کر
 کھانے سے ہاتھ روک لیا، اور فرمایا کہ اس کھانے میں زہر ملا گیا ہے، لیکن ایک صحابی
 نے اس کو اچھی طرح کھایا، آپ نے اس یہود کو بلا کر پوچھا، تو اس نے جرم کا اقرار
 کیا، اس پر بھی آپ نے اس کو چھوڑ دیا، لیکن جب ان صحابی نے اس زہر سے دفات
 پانی تو وہ ان کے بدلہ میں ماری گئی۔

خیر کے پاس ہی ایک ترائی تھی، جس کو دادی القریٰ کہتے تھے، اس میں
 تیمار اور فذک وغیرہ وغیرہ یہودیوں کے چند گالنی تھے، مسلمان ادھر بھی بڑھے،
 وہاں کے یہود نے خیر کی شرط پر صلح کر لی،
 اس واقعہ پر یہود کی لڑائی کا خاتمہ ہو گیا،

مدت کی آرزو

عمرا

(ذیقعدہ ستم)

عمرہ ایک قسم کا چھوٹا حج ہے، جس میں احرام کے ساتھ کعبہ کے گرد گھوم کر اور صفاء اور مروہ کی پہاڑیوں کے بیچ میں تیز چل کر کچھ دعائیں پڑھی جاتی ہیں، یہ یاد ہوگا کہ پچھلے سال حرمین میں یہ طے پایا تھا کہ اگلے سال مسلمان مکہ آکر عمرہ ادا کر لیں اس شرط کے مطابق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عمرہ کا اعلان کیا، اور مسلمانوں کا ایک بڑا حصہ جوش کے ساتھ روانہ ہو گیا، شرط تھی کہ مسلمان ہتھیار اتار کر مکہ میں داخل ہوں گے، اگرچہ بشرط پوری کرنی خطرہ سے خالی نہ تھی، مگر مسلمانوں نے خانہ کی زیارت کے شوق اور معاہدہ کے احترام میں اس شرط کو پورا کیا، مکہ سے آٹھ میل ادھری سارے ہتھیار اتار کر رکھ دیے گئے، اور سواروں کا ایک دستہ اس کی حفاظت پر متعین ہوا، باقی مسلمانوں نے مکہ میں داخل ہو کر جوش و خروش کے ساتھ جھومتے ٹہنتے عمرہ کے سب کام پورے کیے، تین دن بعد شرط کے مطابق آپ مکہ سے نکلے،

کہ سے نکلتے وقت ایک عجیب اثر میں ڈوبا ہوا منظر سامنے آیا، حضرت حمزہؓ کی یتیم بچی آنحضرت ﷺ کو چاچا کہہ کر پکارتی ہوئی آئی، حضرت علیؓ نے اسکو کہ ان کی بہن تھی، گود میں اٹھالیا، حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ اور حضرت زیدؓ ابن حارثہؓ نے اس کے لیے اپنے دعویٰ الگ الگ پیش کیے، حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے، زیدؓ کہتے تھے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے، کیا یہ ناز اور محبت کی لڑائی اسی کے لیے نہیں ہو رہی تھی، جو اسلام سے پہلے زندہ زمین میں گھاڑی جاتی تھی، اسلام نے اب لوگوں کو کیسا بدل دیا تھا۔

ایک نیا دشمن

موت کی لڑائی

(جمادی الاولیٰ سنہ ۱۰)

اب تک اسلام کو ملک عرب کے اندر کے یہود اور مشرکوں کے قبیلوں سے
سامنا تھا، اب آگے عیسائی رومیوں کی طاقت و سلطنت کی دیوار حائل تھی، عیسائی
رومیوں کی ماتحتی میں ایک عرب خاندان بصری پر حکومت کر رہا تھا، اس خاندان کے
رئیس نے اس مسلمان قاصد کو جو ان کے پاس اسلام کی دعوت کا خط لے کر گیا تھا، قتل
کر دیا تھا، آنحضرت ﷺ نے اس شہید کا بدلہ لینے کے لیے تین ہزار فوج مدینہ
سے روانہ کی، حضرت جعفر، عبداللہ بن رواحہ اور زید بن حارثہ اس میں خاص طور سے
بھیجے گئے تھے، فوج کی سرداری زید بن حارثہ کو دی گئی، ساتھ ہی فرما دیا کہ یہ شہید
ہوں تو جعفر اور وہ بھی مارے جائیں تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے افسر ہوں،
حمران کے بادشاہ کو خبر لگ چکی تھی، اس نے ایک لاکھ کے قریب فوج تیار
کی، خود روم کے قیصر نے بیس ہزار فوج کے ساتھ مواب میں آکر خیمہ ڈالا، آپ نے
مسلمانوں کو تاکید کر دی تھی کہ لڑائی سے پہلے دشمن کو صلح کا موقع دینا، اور اسلام
کا پیغام پہنچا لینا، اسلام کی فوج جب قریب پہنچی، تو دیکھا کہ تین ہزار مسلمانوں کو

لاکھوں کے دل بادل کا سامنا ہے، مگر مسلمان تو خدا کی راہ میں اپنی جان ہتھیلیوں پر لیے ہوئے پھرتے تھے، وہ شہادت کے شوق میں ڈرے نہیں، عبد اللہ بن رواحہ نے کہا، ہم تعداد کی کمی بیشی اور طاقت کے بھروسہ پر نہیں لڑتے، ہم تو مذہب کی طاقت لڑتے ہیں، اس پر تین ہزار کے چھوٹے گروہ نے ایک لاکھ فوج پر حملہ کر دیا، حضرت زید بر جھیان کھا کر شہید ہوئے تو ان کی جگہ حضرت جعفر نے آگے بڑھ کر اسلام کا جھنڈا اپنے ہاتھ میں لیا، اور اس طرح بہادری سے لڑے کہ ایک ہاتھ کٹ گیا تو دوسرے ہاتھ سے جھنڈے کو پکڑ لیا، اور دوسرا ہاتھ بھی کٹ گیا، تو سینہ سے چٹا لیا، آخر تلواروں اور پتھروں کے نوتے زخم کھانے کے بعد گرے اور شہادت پائی، ان کے بعد عبد اللہ بن رواحہ نے یہ جھنڈا ہاتھ میں لیا، اور وہ بھی شہید ہو گئے، اب حضرت خالد خود سے آگے بڑھے اور مسلمانوں کی کمان اپنے ہاتھ میں لی، اور اس بہادری سے لڑے کہ دشمن کو گوزیرہ کر سکے، مگر مسلمانوں کو ان کی زد سے نکال لائے۔

تعبہ کی چھٹ پر اسلام کا جھنڈا

مکہ کی منسج

(رمضان سن ۱۲۸۰ھ)

اس ابراہیم کے لئے ہوئے دین کا سب سے پہلا فرض یہ تھا کہ وہ ابراہیم کی بنائی ہوئی دنیا کی سب سے پہلی مسجد کعبہ کو جو اسلام کا قبلہ اور دین کا مرکز تھا، بتوں کی گندگی سے پاک کرے، اب تک جو کچھ ہوا، ظاہر میں وہ اس فرض سے الگ تھا، مگر حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ ہوتا رہا، اور جس کی خاطر یہ خون کی ندیاں بہتی رہیں، وہ سب اسی کی اہل تھی، کیونکہ مکہ پر قبضہ کیے اور کافروں کی نیکی تلواروں کو توڑے بغیر ان بتوں کو توڑ کر حرم کے صحن سے باہر نہیں کیا جاسکتا تھا،

اب جبکہ ان باطل مبودوں کی حفاظت کے لیے جو تلواریں علم تھیں، وہ جھاک چکیں تو اب وقت آیا کہ کعبہ کو ان نجاستوں سے پاک کرنے میں دیر نہ کی جائے، حدیبیہ کی صلح کے سبب خود مسلمان اب مکہ پر حملہ نہیں کر سکتے تھے، مگر خدا کی قدرت دیکھیے کہ اس کا موقع خود مکہ والوں نے پیدا کر دیا، حدیبیہ کی صلح کی رو سے کچھ قبیلوں نے سرداروں کا ساتھ دیا تھا، اور کچھ مسلمانوں کے ساتھ تھے، ان میں سے خزاعہ کا قبیلہ مسلمانوں کے ساتھ تھا، اور ان کے دشمن بنو بکر قریش سے ملے ہوئے

تھے، معاہدہ کے رو سے قریش کے ساتھیوں میں سے کسی کا مسلمانوں کے کسی ساتھی قیدی پر حملہ کر دینا معاہدہ کو توڑ دینا تھا۔

خزاعہ اور بنو بکر میں زمانہ سے لڑائیاں چلی آتی تھیں، جب تک اسلام سے مقابلہ رہا، سب سے رہے، اب جبکہ حدیبیہ کی صلح نے مطمئن کر دیا، تو بنو بکر سمجھے کہ اب دشمن سے بدلہ لینے کا وقت آگیا، ایک ایک انھوں نے خزاعہ پر حملہ کر دیا، قریش کے بہت سے بہادروں نے راتوں کو صورتیں بدل بدل کر خزاعہ پر تلواورین چلائیں، خزاعہ نے حرم میں پناہ لی، مگر وہاں بھی اس کو پناہ نہ مل سکی، شرط کے مطابق مسلمانوں پر انکی مدد فرض تھی، خزاعہ کے چالیس شتر سواروں نے فریادے گردینہ کی راہ لی، آنحضرت ﷺ نے واقعہ سنا تو آپ کو بہت رنج ہوا، آپ نے قریش کے پاس تھا بھیجا، اور تین شرطیں پیش کیں، کہ ان میں سے وہ کوئی منظور کر لیں،

۱۔ خزاعہ کے جو لوگ مائے گئے، ان کے خون کے بدلہ میں روپیہ ادا کریں۔

۲۔ بنو بکر کی حمایت سے وہ الگ ہو جائیں،

۳۔ اعلان ہو جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

قریش کے سردار نے قریش کی طرف سے تیسری بات منظور کر لی، یعنی یہ کہ قریش کا معاہدہ اب باقی نہیں رہا، لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش بہت پچھتائے اور انھوں نے ابوسفیان کو اپنا سفیر بنا کر مدینہ بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کو پھر سے تازہ کر لے، ابوسفیان نے مدینہ آکر پہلے نبوت کی بارگاہ میں عرض کی، وہاں سے کوئی جواب نہ ملا، تو حضرت ابو بکرؓ سے آکر کہا، انھوں نے انکار کیا، وہ حضرت عمرؓ کے پاس گیا، انھوں نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکے گا، پھر وہ حضرت علیؓ کے پاس گیا، انھوں نے

فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ جو طے کر چکے ہیں، اس کے بارہ میں ان کو کچھ مشورہ نہیں دیا جاسکتا، بہتر یہ ہے کہ تم مسجد میں جا کر اعلان کر دو کہ میں حدیبیہ کی صلح کو پھر بجا لاتا ہوں، اس نے یہی کیا۔

ابوسفیان نے جا کر لوگوں سے یہ واقعہ بیان کیا، سب نے کہا نہ یہ صلح ہے کہ ہم طہیمان سے بیٹھیں، اور نہ یہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کریں،

آنحضرت ﷺ نے مکہ کی تیاریاں شروع کر دیں، اور احتیاط کی کہ اگر والوں کو تہ نہ ملے، اور رمضان کو دس ہزار فوجیں مکہ کی طرف بڑھیں، مگر سے ایک نزل ادھر اتھر گریات کہ پڑاؤ ڈالا، قریش کو خبر نہ تھی، ابوسفیان اور قریش کے دو سردار لگانے کو نکلے، کچھ دور نکلے تو دیکھا کہ باہر ایک فوج پڑی ہے، آنحضرت ﷺ نے چچا حضرت عباسؓ کو جو مکہ سے نکل کر پہلے ہی راستہ میں آنحضرت ﷺ

کی خدمت میں پہنچ چکے تھے، مکہ والوں کی حالت پر رحم آیا، اور یہ سوچ کر کہ اگر فوج مکہ میں داخلہ سے پہلے مکہ والے خود آکر امن مانگ لیں تو ان کی مصیبت دور ہو جائے گی، وہ آنحضرت ﷺ کے خیمہ سے نکلے، اور باپ کی سواری پر بیٹھ کر کی راہ لی، ابھی کچھ ہی دور چلے تھے کہ ابوسفیان وغیرہ مل گئے، ان کو بتایا کہ اسلام

المنکر نکد کے پاس پہنچا، اب قریش کی خیر نہیں، ابوسفیان نے مشورہ پوچھا، حضرت عباسؓ نے فرمایا، تم میرے ساتھ چلے آؤ، یہ ساتھ ہو لیے، حضرت عباسؓ ان کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے چلے، راہ میں حضرت عمرؓ نے دیکھ کر کہا کہ کفر کا

سوار اب ہمارے قبضہ میں ہے، اور یہ کہہ کر جھپٹے، مگر حضرت عباسؓ ان کو لے کر وہی سے حضرت کے خیمہ میں گھس گئے، اور عرض کی کہ یا رسول اللہ میں نے

ابوسفیان کو پناہ دی ہے، یہ کون ابوسفیان تھا، وہی جس نے اسلام کے خلاف بدر کے بعد سے لے کر اب تک ساری لڑائیاں کھڑی کی تھیں، عرب کے قبیلوں کو اُٹھا اُبھار کر بار بار مدینہ پر چڑھا کر لایا تھا، جس نے محمد ﷺ کے قتل کی سازش کی تھیں، اب وہ مسلمانوں کے پنجہ میں تھا، اور اپنے ہر جرم کی سزا کا مستحق تھا، لیکن اسلام کا رحمت مجسم رسولؐ ان سب سے درگزر کر کے اس کو اسلام کی بشارت سناتا ہے، اور اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کے لیے یہ فخر کا خلعت عطا فرماتا ہے کہ اعلان عام کر دیا جاتا ہے، کہ آج سے جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس سے کوئی باز پرس نہیں، یہ رحمت اور عام ہوتی ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ ”جو اپنا گھر بند کر لے گا اس کو بھی امن ہے“

حضرت عباسؓ کو حکم ہوا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر ذرا اسلامی لشکر کا سیلاب دکھاؤ، ٹھوڑی دیر کے بعد اسلام کی فوجیں جوش مارتی ہوئی آگے بڑھیں، سب سے پہلے قبیلہ غفار کا پرچم نظر آیا، پھر ہبنہ، ہذیم، اور سلیم کے قبیلے ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے، تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے، ابوسفیان ہر دفعہ ڈرتا تھا، سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سرسبز میدان سے آیا کہ پہاڑی گونج اُٹھی، سعد بن عبادہ کے ہاتھ میں انصار کا جھنڈا تھا، ابوسفیان نے حیرت سے پوچھا، یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا، آخر میں خود رسالت کا آفتاب نظر آیا، جس کے چاروں طرف جان نثاروں کا ہار تھا، حضرت زبیرؓ کے ہاتھوں میں اس کا جھنڈا تھا، یہ پورا لشکر حب مکہ کے پاس پہنچا، تو امن کی منادی ہوئی، اور حرم کا گھ

جو تین سو ساٹھ بتوں کا مسکن تھا، اس گندگی سے پاک ہوا، اور ابو اہیم کے خدا کا گھر اب پھر خدا کا گھر بنا، اور توحید کی اذان مسجد کے منارہ سے بلند ہوئی، مکہ کے بڑے بڑے سردار جو حضور ﷺ کے دشمن، مسلمانوں کے قاتل، اور اسلام کی راہ کے پھرتے، آج حرم کے عین میں تھے، حضور ﷺ نے ایک نظر اٹھا کر دیکھا، اور پوچھا کہ اے مکہ کے سردارو! آج میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟ سب نے کہا: آپ جو انون کے شریف بھائی، اور بوڑھوں کے شریف بھتیجے ہیں، ارشاد ہوا جاؤ، آج تم پر کوئی ملامت نہیں، تم سب آزاد ہو، یہ آواز کیسی توقع کے خلاف تھی، مگر یہ دل کی گہرائی سے اٹھی تھی، اور دل کی گہرائیوں میں اتر گئی، ہند ابوسفیان کی بیوی نے جس نے احد کے میدان میں حضرت حمزہؓ کی لاش کے ٹکڑے کئے تھے، نقاب اوڑھ کر سامنے آتی ہے، اور حضور ﷺ کے عام معافی کے پیغام سے خوش ہو جاتی ہے، اور چلا آتی ہے کہ اے اللہ کے رسول! آج سے پہلے مجھے آپ کے خیمہ سے زیادہ کسی خیمہ سے نفرت نہ تھی، مگر آج سے آپ کے خیمہ سے زیادہ کوئی خیمہ مجھے پیارا نہیں معلوم ہوا۔

آج کفر کی ساری قوتیں ٹوٹ گئیں، دشمنوں کے سارے منصوبے ناکام ہو گئے اور اسلام کی فتح کا جھنڈا مکہ کی چار دیواریوں پر بلند ہو گیا، آنحضرت ﷺ نے اس موقع پر تاثیر میں ڈوبی ہوئی یہ تقریر فرمائی،

”ایک کے سوا اور کوئی خدا نہیں، اس کی خدائی میں کوئی دوسرا شریک نہیں،

اس نے اپنا وعدہ سچا کیا، اس نے اپنے بندہ کی مدد کی، اور آخر اس نے کفر کے

سارے جتھوں کو اکیلے توڑ دیا۔“

ہاں! آج کفر کے سارے فخر اور غور، خون کے سب پرانے کینے اور جاہلیت
 کے سارے بدلے اور سارے دعوے میرے پاؤں کے نیچے ہیں، صرف دو عہدے
 باقی رہیں گے، خانہ کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت
 اسے قریش کے لوگو! خدا نے اب جاہلیت کے غور، اور باپ دادوں پر
 فخر کو مٹا دیا، اب آدم کی ساری نسل برابر ہے، تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو،
 اور آدم مٹی سے بنے تھے، خدا فرماتا ہے :-

لوگو! میں نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، او
 میں نے تم کو قبیلوں اور خاندانوں میں اس لیے بنایا، کہ تم آپس میں ایک دوسرے
 کو پہچان سکو، تم میں خدا کے نزدیک سب شریف وہ ہے، جو سب سے زیادہ
 پرہیزگار ہے،

آج اللہ نے شراب کی خرید و فروخت اور سود کے کاروبار کو حرام ٹھہرایا۔
 اس وقت کعبہ اور حرم کے حدود میں ہنگامات، منات وغیرہ بڑے بڑے
 کھڑے تھے، آج ان کی جھوٹی خدائی کی بدت پوری ہو گئی، مسلمانوں کے ایک
 اشارہ ہیں وہ اب پتھر کے ڈھیر تھے، اور ہر جگہ توحید کا نعرہ بلند تھا،

ہوازن اور ثقیف کا معرکہ

(شوال سنہ ۶۰۰ھ)

مکہ جو حجاز کی راجدھانی اور عرب کی مذہبی جگہ تھی، جب اس کی چھت پر اسلام کا جھنڈا بلند ہوا تو سارے عرب نے اس کو دین اسلام کی سچائی کا نشان مان لیا اور ہر طرف سے لوگ کفر کے پھندے سے نکل نکل کر اسلام کی امان میں آ رہے تھے مگر مکہ کے قریب ہوازن اور ثقیف دو ایسے طاقتور قبیلے تھے، جو کسی دوسرے قبیلہ کی ماتحتی کے ننگ کو گوارا نہیں کرنا چاہتے تھے، ہوازن کے قبیلہ کے سردار و ن نے اور و ن کو بھی ابھارا، اور حنین کے میدان میں اسلام کے خلاف ایک ملا جلا بہت بڑا جتھا اکٹھا کیا، مسلمانوں کی بارہ ہزار فوج جس میں بڑا حصہ قریش کے نو مسلموں کا تھا، بڑے سردار سامان سے اس کے مقابلہ کو نکلی، ہوازن کے لوگ تیر چلانے میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، ان کی پہلی ہی بارڑ میں مسلمانوں کے بارون اکھڑ گئے، گرو مسلمانوں پر اب تیرون کا مینہ برس رہا تھا، اور ان کی بارہ ہزار فوج ہوا ہو گئی تھی، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر تھے، آپ نے دائیں جانب دیکھا، اور بکرا، اسے انصار کے گروہ! آواز کے ساتھ جواب ملا، کہ ہم حاضر ہیں، پھر آپ نے بائیں جانب بکرا، اب بھی وہی آواز آئی، آپ سواری سے اتر پڑے اور جوش کے

لجہ میں فرمایا، میں ہوں خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر، میں بے شبہ پیغمبر ہوں، اور عبدِ مطلب کا فرزند ہوں۔ حضرت عباسؓ نے مسلمانوں کو آواز دی کہ ادا انصار کے گروہ! اور اسے وہ لوگو! جنہوں نے اسلام پر جان دینے کی بیعت کی ہے، آگے بڑھو، ان اثر میں ڈوبی ہوئی آوازوں کا کانوں میں پڑنا تھا کہ اسلام کے جانباز پلٹ پڑے، اور اس جوش سے بڑھے کہ زمین اتار کر پھینک دیں، اور گھوڑوں سے کود پڑے، اب میدان کا رنگ بدل گیا، کافروں کی فوج کائی کی طرح بھٹ گئی، اور ان کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔

کافروں کی فوج کا کچھ حصہ بھاگ کر طائف میں جمع ہوا، طائف میں ثقیف کا قبیلہ اپنے کو قریش کے برابر جانتا تھا، ان کا قلعہ بھی بڑا مضبوط تھا، اور قلعہ میں لڑائی کا سارا سامان بھی تھا، انھوں نے قلعہ بند کر کے لڑائی شروع کی، مسلمانوں نے قلعہ پر بار بار حملے کیے، لیکن قلعہ فتح نہیں ہوا، مسلمانوں کو اس قلعہ کو یوں چھوڑ کر مٹنا گوارا نہ تھا، انھوں نے رسول اللہ ﷺ سے ایک دن کی ہمدست جاہی اجازت لی، تو دوسرے دن بڑے زور سے حملہ کیا، مگر کامیابی اب بھی دور تھی، مسلمانوں نے عرض کی، اے اللہ کے رسول! ان کے حق میں بدو عا کیجئے، برکت والے لب لب، تو یہ لفظ نکلے، خداوندِ ثقیف کو ہدایت نصیب کر، اور ان کو اسلام کے آستانہ پر لا، دعا کا یہ تیرنہ جو کا، دو سال بھی گزرے نہیں پائے تھے کہ ثقیف کے لوگوں نے خود مدینہ میں آکر اسلام کا کلمہ پڑھا،

مال غنیمت کی تقسیم اور حضور	طائف کا محاصرہ چھوڑ کر آپ نے جبرائیل کے مقام پر پڑا
صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر	ڈالا، لڑائی کی لوٹ کا بہت سا سامان ساتھ تھا، چھ نہرا

قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، اور چار ہزار اوقیہ چاندی، گرم دیکھو کہ قیدیوں کو لے کر آپ یہاں انتظار کرتے رہے، کہ ان کے عزیز آئیں، اور ان کو چھو لے جائیں، لیکن کئی دن گزر گئے، اور کوئی نہیں آیا، تب لوٹ کے مال کے پانچ حصے کئے گئے، چار حصے سپاہیوں میں بٹ گئے، اور پانچواں حصہ غریبوں، مسکینوں، اور اسلام کے دوسرے ضروری کاموں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہا،

آپ نے مکہ اور اطراف کے بہت سے منسجم رئیسوں کو جو ابھی ابھی اسلام لائے تھے، ان کی تسلی اور اطمینان کی خاطر اس لڑائی کے لوٹ کے مال میں سے بہت سا مال عنایت فرمایا، کچھ انصار سی نو جوانوں کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خاص بخشش کے بھید سے واقف نہ تھے، یہ غلط فہمی ہوئی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا، اور ہم کو محروم رکھا، حالانکہ لڑائی کا اصلی زور ہم ہی نے سنبھالا، اور اب تک ہماری تلواروں سے قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہیں، بعض نو جوان انصار بول اٹھے کہ مشکلوں کے وقت ہماری یاد ہوتی ہے، اور انعام اور دن کو ملتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سنے تو انصار کو ایک خیمہ میں الگ کر بوجھا کہ کیا تم نے ایسا کہا، عرض کی یا رسول اللہ ہمارے بڑوں میں سے کسی نے یہ نہیں کہا، البتہ بعض نو جوانوں کے منہ سے یہ فقرے نکلے تھے، یہ دریافت فرم لینے کے بعد آپ نے ان کے سامنے وہ تقریر فرمائی جس کا ہر فقرہ اثر میں ڈوبا تھا، فرمایا، "کیا یہ سچ نہیں کہ تم پہلے راہ سے بیٹے تھے تو خدا نے میرے فدیہ سے تم کو

سیدھی راہ دکھائی، تم بکھرے تھے، تو خدا نے میرے ذریعہ تم کو ایک کر دیا،

تم مفلس تھے، تو خدا نے میرے ذریعہ تم کو دولت مند بنایا۔

آپ یہ فرماتے جاتے تھے، اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ خدا اور اس کے

رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے، آپ نے فرمایا نہیں تم یہ جواب دے سکتے ہو،

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھ کو جب لوگوں نے جھٹلایا، تو ہم نے تجھ کو سچا مانا، تجھ کو جب

لوگوں نے چھوڑ دیا، تو ہم نے تیرا ساتھ دیا، تو مفلس آیا تھا، تو ہم نے ہر طرح تیری مدد کی،

یہ کہہ کر آپ نے فرمایا، تم یہ جواب دیتے جاؤ اور میں یہ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن

اے انصار یہ کیا تم کو یہ پسند نہیں کہ اور لوگ اونٹ اور بکریاں لیکر جائیں اور تم مجھ کو لیکر چلو گے؟

یہ سن کر انصار بے اختیار چیخ اٹھے کہ تم کو صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کاہی

اکثرون کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے دائرہ بیان تر ہو گئیں، اس کے بعد آپ نے انصار

کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ چونکہ نئے سے اسلام لائے تھے، اس لیے ان کو جو کچھ ملا وہ حق کے

طور پر نہیں، بلکہ اسلام کی نعمت سے ان کو آشنا کرنا مقصود تھا،

اس درمیان میں قیدیوں کو چھڑانے کیلئے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان میں

اوس قبیلہ کے بھی کچھ لوگ تھے جس میں وہاں علیمہ تھیں، جس کا بچپن میں آپ نے دودھ پیا تھا، آپ نے فرمایا،

عبدالطلب کے خاندان کا جتنی حصہ ہے، وہ تمھارے ہے، لیکن قیدیوں کی عام رہائی کی صورت یہ ہے کہ نماز

کے بعد جب مجمع ہو تو تم سب کے سامنے اپنی درخواست پیش کرو، ظہر کے بعد انھوں نے سب مسلمانوں

کے سامنے اپنی درخواست پیش کی، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے صرف اپنے خاندان پر اختیار

ہے، لیکن عام مسلمانوں کی سفارش کرتا ہوں، یہ سننا تھا کہ سب مسلمان بول اٹھے، ہمارا حصہ بھی

حاضر ہے، اس طرح چھ ہزار قیدی دفعۃً آزاد ہوئے،

رومی خطرہ

تبوک کی لڑائی | اس زمانہ میں شام اور مصر کے ملک عیسائی رومیوں کے ہاتھوں میں تھے، جن کا پایہ تخت قسطنطنیہ تھا، شام کی حدین حجاز سے ملی ہوئی تھیں، حجاز میں اسلام کی نئی قوت کا حال سن کر رومیوں میں کھلبلی تھی، حجاز اور شام کی سرحد پر تبوک نام ایک مقام تھا، اس کے آس پاس کچھ عرب سردار جو عیسائی ہو گئے تھے، رومیوں کی ماتحتی میں حکومت کر رہے تھے، ان عرب سرداروں میں عنسانی خاندان کے عرب سب میں طاقتور تھے، اور وہی رومیوں کی طرف سے اس کام پر متعین ہوئے، دم بدم مدینہ میں یہ خبریں پھیلتی تھیں کہ عنسانی مدینہ پر چڑھائی کی فکر میں کر رہا ہے، شام کے نبی سوداگروں نے اکر بیان کیا کہ رومیوں نے شام میں بڑی بھاری فوج جمع کر لی ہے، جو ہر طرح کے سامان سے تیار ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ خبریں سن کر مسلمان غازیوں کو بھی تیاری کا حکم دیا، اتفاق یہ کہ یہ سخت گرمیوں کا زمانہ تھا، ملک میں قحط کے آثار بھی تھے، منافق جو دل سے مسلمان نہ تھے، اُن کے لیے یہ بڑی آزمائش کا وقت آگیا، وہ لڑائی سے جی چراتے تھے، اور دوسروں کو بھی پرودہ پرودہ میں روکتے تھے، مگر پرچوش مسلمانوں کے لیے یہ اُن کے ایمان کی تازگی کا نیا موقع ہاتھ آیا، کہ اب عرب کے چند قبیلوں کا سامنا نہیں، بلکہ دنیا کی ایک بڑی سلطنت کا مقابلہ ہے

دولتمند صحابیوں نے بھی بڑی بڑی زمینیں پیش کیں، چونکہ سفر دور کا تھا، اور سواری کا انتظام تھوڑا تھا، اس لیے بعض معذور مسلمان رُور و کر عرض کرتے، کہ حضور سفر کا سامان نہیا فرما دیں تو ساتھ چلنے کی سعادت ملے، یہ دیکھ کر حضرت عثمانؓ نے فوج کے لیے تین سو اونٹ پیش کیے، اور آنحضرت ﷺ نے اُن کو وعادی، آنحضرت ﷺ جب مدینہ سے باہر جاتے، تو کسی کسی کو شہر کا حاکم بنا کر جاتے، ازواج مطہرات یعنی آنحضرت ﷺ کی بیویاں اس دفعہ ساتھ نہیں جا رہی تھیں، اس لیے کسی عزیز خاں کا یہاں چھوڑ جانا مناسب تھا، اس لیے اس دفعہ یہ منصب حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو سپرد ہوا، انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ ارشاد ہوا، کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی، آپ کا یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے وہ فخر ہے جس کو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا،

عرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے، جس میں دس ہزار سواری تھے، تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ رومیوں کے حملہ کی خبر صحیح تھی، مگر اتنا صحیح تھا کہ اسلام کی نئی قوت کے مقابلہ کے لیے عنانی رئیس دوڑ دھوپ کر رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے تبوک میں بیس دن قیام کیا، اس قیام کا اثر یہ ہوا کہ تیس ہزار مسلمانوں کی یہ پاکیزہ جماعت جو ظاہر میں سپاہی اور حقیقت میں عاشق الہی تھی، اس پاس کے شہروں پر اپنا اثر ڈالے بغیر نہ رہی، اسلام میں اگلے پیغمبروں کی امتوں کے ساتھ یہ رعایت رکھی گئی ہے کہ وہ اگر

تھوڑا سا محصول دے کر مسلمانوں کی رعایا بن جائیں، تو مسلمان ان کی ہر طرح کی حفاظت کی ذمہ داری اٹھالیں، اس محصول کا نام قرآن پاک میں جزیہ رکھا گیا ہے، یہ پہلا موقع تھا کہ کوئی غیر مسلم قوم مسلمانوں کی حکومت میں آتی ہے، ایہ خلیج عقبہ کے پاس عربوں کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی، اس کے رئیس یوحنا نے خدمت نبویؐ میں آکر جزیہ دیکر مسلمانوں کی حفاظت میں رہنا منظور کیا، جربا، اور اذرح کے عیسائی عربوں نے بھی جزیہ دیکر مسلمانوں سے صلح کر لی، دمشق کے پانچ منزل ادھر سی دومتہ الجندل میں ایک عرب سردار اکیدر نامی تھا، جو قیصر روم کے اثر میں تھا، مسلمانوں نے چار سو سو سواروں کے ساتھ اس پر حملہ کیا، اور اس کو بکڑ کر خدمت نبویؐ میں لائے، اس نے اس شرط پر رہائی پائی کہ وہ مدینہ آکر صلح کی شرطیں پیش کرے، چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ آیا، اور امان پائی، تب تک کا سفر اس حیثیت سے کہ یہ عرب کے باہر کی دوسرے بڑی طاقتوں میں سے ایک سے سر ٹکرانے کی سب سے پہلی کامیاب کوشش تھی، بہت اہم تھا، اس لیے آنحضرت ﷺ کی بخیر و غافیت واپسی پر مسلمانوں نے بڑی خوشی منائی، مدینہ کے لوگ شوق کے عالم میں رسول اللہ ﷺ کو لینے کے لیے شہر سے باہر نکلے، عورتیں بھی گھروں سے نکل آئیں، اور لڑکیوں نے خیر مقدم کا گیت گایا،

طلع البدر علینا من شایات الوداع

ہم پر چاند نکلا وداع کی گھائیوں سے

وجب الشکر علینا ما دعا لہ دواع

خدا کا شکر اس وقت تک ہم پر فرض ہو جب تک دنیا میں خدا کا کوئی بکار نہ دلا باقی ہو

عہد اسلام کا پہلا باقاعدہ

حج، اور برأت کا اعلان

اسلام کی دعوت شروع ہوئے بائیس برس ہو چکے تھے۔

بائیس برس کی لگاتار کوششوں سے اب عرب کا ذرہ ذرہ

اسلام کے نور سے چمک رہا تھا، لا الہ الا اللہ کی آوازیں اس کی ہر گھائی سے

اوپچی ہو رہی تھیں، یمن کی سرحد سے لے کر شام کی سرحد تک اب اسلام کی حکومت

تھی، اور خدا کا گھر اب توحید کا مرکز بن چکا تھا، اب وقت آیا کہ اسلام کا وہ مذہبی دربار

حج کے نام سے مشہور ہے، اللہ کے بنائے اور حضرت ابراہیم کے بتائے ہوئے

دستور کے مطابق آراستہ ہو،

تبوک سے واپسی پر آنحضرت ﷺ نے ۹ مین ذیقعدہ کے آخر

پاذیحہ کے شروع مہینہ میں یمن میں مسلمانوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے مکہ کو روانہ

فرمایا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس قافلہ کے سرور، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

اس کے نقیب اور حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت جابر، حضرت ابو ہریرہ منادی

اور معلم بنائے گئے تھے، اور قربانی کے لیے پس اونٹ ساتھ تھے،

قرآن نے اس حج کا نام حج اکبر رکھا ہے، کیونکہ یہ کفر کی حکومت کے ختم ہو جانے

اور اسلام کے عہد کے شروع ہونے کا سب سے پہلا اعلان تھا، حضرت ابوبکر نے لوگوں

کو حج کے اصلی طریقے بتائے، اور سکھائے، اور قربانی کے دن کھڑے ہو کر اسلام کا

خطبہ پڑھا، اور ان کے بعد حضرت علی بن ابی طالب نے برأت کی، اس سورہ میں چالیس

آیتیں پڑھ کر سنائیں جن میں کافروں سے ہر طرح کے تعلق کے توڑے جانے کا

اعلان تھا، اور منادی کر دی گئی کہ اب کوئی مشرک خانہ کعبہ میں نہ آنے پائے گا،

لے بڑا حج

اور نہ کوئی ننگا ہو کر حج کر سکے گا، اور صلح کے وہ تمام معاہدے جو مشرکوں سے ہوئے تھے، آج سے چار مہینہ کے بعد سب ٹوٹ جائیں گے۔

کیا عجیب بات ہے کہ وہ قریش جو بیس برس تک تلوار کی نوک سے اسلام کا مقابلہ کرتے رہے، وہ مکہ کے فتح ہو جانے کے بعد کسی قسم کے جبر اور لالچ کے بغیر صرف اسلام کا گہرا رنگ اور مسلمانوں کو قریب سے دیکھ بھال کر آپ سے آپ مسلمان ہوتے چلے گئے، اور جواب تک محروم رہے تھے، وہ اس اعلان کے بعد اسلام کے سایہ میں آ گئے،



عرب کے قبیلوں میں اسلام کی عام منادی

اب عرب کا ہر ذرہ آفتاب رسالت کے دامن سے لپٹا تھا، توحید کی اشاعت کی راہ سے مشکل کا ہر پہر پتھر بہت چکا تھا اور سائے حجاز میں اسلام کی حکومت تھی لیکن ابی بنی، یامہ، بکر بن وغیرہ عرب کے کچھ ایسے صوبے تھے، جہاں گویا ایک ایک دو دو آدمی مسلمان ہو چکے تھے لیکن ان میں اسلام کی عام منادی نہیں ہوئی تھی، اب جبکہ قریش اور ان کے ساتھی قبیلوں کی نفوذ کی ہر کوشش ناکام ہو چکی، وقت آیا کہ دور کے علاقوں میں بھی اسلام کی منادی کی جائے اور شاہ اور رعایا، امیر اور فقیر ہر ایک کو سچائی کی دعوت دی جائے،

عرب کے سائے صوبوں میں براہمن کا صوبہ تھا، جو تقریباً پچاس ساٹھ برس سے ایرانیوں کے قبضہ میں تھا، ان کے ایک بڑے قبیلہ دوس کے رئیس طفیل بن عمرو نے مکہ جا کر بہت پہلے اسلام قبول کر لیا تھا، اور ان کے اثر سے اس قبیلہ کے کئی آدمی وقتاً فوقتاً مسلمان ہوتے رہے، مگر یہاں جب آپ خیرین تھے، دوس کے بہت سے لوگ مسلمان ہو کر مدینہ چلے آئے تھے، مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہؓ انہی میں تھے، شمر نامہ میں کے ایک دوسرے قبیلہ میں بھی لوگ آپ ہی آپ مسلمان ہو چلے تھے، مشہور صحابی حضرت ابو موسیٰؓ اسی قبیلہ کے تھے، لوگ بھی مدینہ آکر بس گئے تھے، یمن میں ہمدان کا قبیلہ بہت شہرت رکھتا تھا، اس قبیلہ نے جب اسلام کا نام سنا تو اپنے رئیس عامر بن شہر کو اس نئے دین کے جانچنے کے لیے مدینہ بھیجا، اس نے وہاں پہنچ کر جو کچھ دیکھا، اس کا اثر یہ ہوا کہ اسلام کی سچائی نے اس کے دل میں گھر کر لیا، وہ واپس آیا، تو اپنے خاندان میں اسلام کا نور پھیلایا،

یمن کے بعض قبیلوں میں اشاعت کا کام کرنے کے لیے پہلے حضرت خالدؓ
 بے گئے، وہ چھ مہینے تک اپنا کام کرتے رہے، مگر کامیاب نہ ہو سکے، یہ دیکھ کر آپؐ نے
 لوہا پس بلا لیا، اور ان کی جگہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھیجا، حضرت علیؓ نے
 سب رئیسوں کو بلایا، اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک خط پڑھ کر
 دیا، ساتھ ہی سارا کا سارا قبیلہ مسلمان تھا، چنانچہ ہمدان، جذیمہ اور مذرج کے قبیلوں
 نے اسلام کی روشنی حضرت علیؓ مرثضیٰ ہی کے فیض سے پھیلی، یمن کے دوسرے شہروں
 نے اسلام کی دعوت پھیلانے کو دوسرے ممتاز صحابی مقرر ہوئے، چنانچہ صنعاء میں
 یمن کا پایہ تخت تھا، خالد بن سعید کی کوشش کامیاب ہوئی، طے کا قبیلہ اسلام
 پہ پہلے عیسائی تھا، اس وقت حاکم طائی کا بیٹا عدی اس قبیلہ کا سردار تھا، وہ
 رست نبویؐ میں حاضر ہوا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاکساری اور یکسوئی سے
 مدد دی، دیکھ کر مسلمان ہو گیا، اوسا سی کی دعوت پر اس کے قبیلہ نے بھی توحید کا
 لہ بڑھا، حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عدن اور زبید میں، اور حضرت معاویہؓ بن جبل
 نے جندہ میں جا کر اسلام کا پیغام پہنچایا، جریر بن عبد اللہ بکلی نے تمیر کے شہروں میں
 اسلام پھیلایا، مہاجر بن ابی امیہ ایک صحابی یمن کے ایک شہزادہ حارث بن
 عبد کلال کو اسلام کے حلقہ میں لائے، و بر بن نخعیس صحابی نے یمن کے ان ایرانی
 نسل کے لوگوں کو جو یمن میں بس گئے تھے، اسلام کی خوشخبری سنائی،

یمن میں بحران کا علاقہ عیسائی آبادی تھا، وہاں کے لوگوں نے اسلام
 کو اپنا کر اپنے پادریوں کو دریافت حال کے لیے مہینہ بھیجا، اور گو وہ مسلمان
 نہیں ہوئے، لیکن جزیہ دیکر اسلام کی حکومت قبول کی، بحران میں جو مشرک عرب

اُن کی ہدایت کے لیے حضرت خالد کو بھیجا جن کے سمجھانے سے پورا قبیلہ اسلام لے آیا،
حضرت خالد نے تھوڑے دن وہاں ٹھہر کر ان کو اسلام کی باتیں سکھائیں،

بحرین پر اس وقت ایرانیوں کی حکومت تھی، اور اس کی وادیوں میں
عرب کے قبیلے آباد تھے جن میں مشہور اور با اثر خاندان عبد القیس، بکر بن وائل
اور تمیم تھے، ان میں سے عبد القیس کے قبیلہ سے منقذ بن حیان تجارت کے لیے نکلے
راہ میں مدینہ پہنچا، وہاں ٹھہرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا آنا معلوم ہوا،
تو ان کے پاس تشریف لے گئے، اور اسلام کی دعوت دی، انھوں نے قبول کیا،
اور مسلمان ہو گئے، یہاں رہ کر انھوں نے سورہ فاتحہ اور اقرا سیکھی، آپ نے ان کو
ایک فرمان لکھ کر دیا، جب وہ لوٹ کر گھر گئے تو پہلے اپنے اس نئے مذہب کو
چھپایا، لیکن اُن کی بیوی نے ان کو نماز پڑھتے دیکھ لیا، اور اپنے باپ منذر سے
شکایت کی، انھوں نے منقذ سے دریافت کیا، بات حیرت کے بعد منذر بھی مسلمان
ہو گئے، اب دونوں نے لوگوں کو جمع کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنایا،
اور سب اسلام قبول کیا۔

بحرین میں ایک مقام جو اُٹی تھا، جس میں عبد القیس کا قبیلہ تھا، یہاں بہت پہلے
اسلام پہنچ چکا تھا، مدینہ کے بعد جمعہ کی نماز سب سے پہلے یہیں کے لوگوں نے ادا کی،
سب میں بحرین کا عرب رئیس منذر بن سادی نے علاء بن حضرمی کی دعوت پر
اسلام قبول کیا، اور ان کے ساتھ وہاں کے سارے عرب اور ایرانی بھی مسلمان
ہو گئے، بحرین میں ہجرا ایک مقام تھا، وہاں کے ایرانی حاکم سیبخت نے آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کا خط پا کر اسلام کی دولت پائی،

عُمان بن ازد قبیلہ آباد تھا، عبید اور جعفر میان کے رئیس تھے، شہین
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو زید انصاری کو جو حافظ قرآن تھے، اور حضرت
عمر بن العاص کو اپنا خط و پیکر ان کے پاس بھیجا، دونوں رئیسوں نے اسلام قبول کیا،
اور وہ ان کے سارے لوگ ان کے کہنے سے مسلمان ہوئے،

شام کے حدود میں کئی رئیس تھے، ان میں سے ایک فروہ تھے جن کی ریاست
معان میں تھی، وہ رومیوں کے ماتحت تھے، وہ اسلام سے آشنا ہو کر مسلمان ہو گئے، رومیوں
کو ان کا مسلمان ہونا معلوم ہوا، تو ان کو پکڑ کر سودی دیدی، اس وقت عربی کا یہ شعر
اس بے گناہ شہید کی زبان پر تھا، جس کا ترجمہ یہ ہے،

”مسلمان سرداروں کو میرا یہ پیغام پہنچا دو کہ میرا تن من اور میری اُبردسب
پر دردگار کے نام پر شمار ہے“

غرض ان کوششوں سے اسی طرح اسلام عرب کے ایک ایک گوشہ میں پھیل
گیا، اور وہ وقت آیا کہ عرب میں کوئی مشرک باقی نہ رہا،

دین کی تکمیل و اسلامی نظام کی تائید

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیغام لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے، دنیا اس کی مخالفت کی، اور عرب والوں نے اس کے ماننے سے انکار ہی نہیں، بلکہ اس کے مٹانے کی ہر طرح کی کوششیں کیں، مسلمانوں کو طرح طرح سے ستایا، ان کے گھروں سے ان کو نکالا، اور وہ بے سرد سامانی سے اپنے گھر بار کو چھوڑ کر بھی حبشہ کے ملک کبھی دور دور کے شہروں میں نکل جانے پر مجبور ہوئے، اور اس طرح تیرہ برس تک حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضور کے ساتھی مسلمانوں نے پورے صبر اور مضبوطی سے اپنے سختیوں کو جھیلنا، آخر کفر کا قوتوں نے فوج و لشکر اور تیغ و خنجر سے مسلمانوں کو فنا کر دینے کی تیاری کی، اور نو برس تک لگاتار ان کی یہ کوشش جاری رہی، مسلمانوں نے ان کی اس ظالمانہ طاقت کا بھی سامنا کیا، اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے وہ اس میں بھی کامیاب ہوئے، اور آہستہ آہستہ مشکل کا ہر پتھر ان کی راہ سے ہٹ گیا، عرب کا ایک ایک گوشہ اسلام کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گیا، اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے آوازہ سے عرب کا پورا جزیرہ گونج اٹھا، تو وقت آ گیا دین اپنے پورے احکام کے ساتھ تکمیل کا درجہ پاے، اور اس کا نظام عرب کے ملک میں قائم کر دیا جائے،

لے بنیاد رکھنا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ سب سے پہلے قرآن پاک کی وہ آیتیں آئیں جو دلون میں نرمی، اور خون میں گرمی، اور خیالوں میں تبدیلی پیدا کریں، جب یہ ہو چکا تو احکام کی آیتیں آئیں، اگر ایسا نہ ہوتا، اور پہلے ہی دن یہ حکم دیا جاتا کہ لوگو! شراب چھوڑ دو، تو کون اس کو مانتا، اسلام کی دعوت کی یہ ترتیب قدرتی تھی، اور فطرت کے عین مطابق، آنحضرت ﷺ جب تک مدینہ میں رہے، توحید کی تعلیم، اللہ کی بے انتہا قدرت اور بے حد رحمت، بت پرستی کی برائی، بتوں کی بے جا رگی، اللہ کے رسولوں کے قصے، رسولوں کے زمانے سے قوموں پر عذاب، مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے، خدا کے سامنے اپنے کاموں کے جواب دہ ہونے، اور اچھوں کے لیے جنت اور برون کے لیے دوزخ کے سماں رکھائے جاتے رہے، ساتھ ہی ساتھ اللہ کی سچی عبادت کے ڈھنگ، غریبوں کے ساتھ مہربانی، بیگسون کے ساتھ شفقت اور اخلاق کی دوسری اچھی اچھی باتوں کے سبق ان کو سکھائے جاتے رہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے ماننے والوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کیا گیا جو اس کے حکم پر گردن جھکانے کو تیار ہو گیا، اس وقت اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ اپنے سارے حکموں سے ان کو آگاہ کیا۔

ان کو بتایا گیا کہ دن میں پانچ دفعہ حضرت ابراہیم کی مسجد (کعبہ) کی طرف منہ کر کے خدا کے حضور میں کھڑے ہوں، گھٹنوں کے بل جھک کر (رکوع) اپنی بندگی کا اقرار کریں، پھر زمین پر سر رکھ کر (سجہ) اپنی عاجزی کو نمایاں شکل میں ظاہر کریں، یہ نماز کہلائی، یہ نماز سارے مسلمان ایک وقت پر ایک جگہ اکٹھے ہو کر ایک امام کے پیچھے ایک ساتھ ادا کریں اس کا یہ مطلب ہوا کہ نماز جس طرح خدا اور بندہ

کے لگاؤ کی سب سے مضبوط کڑی ہے، اسی طرح یہ مسلمانوں کے قومی نظام کی حقیقی شکل بھی ہے یعنی سارے مسلمان ایک ہو کر ہر فرقہ مراتب کی قید کو توڑ کر ایک صف میں کھڑے ہو کر ایک ایسی متحد جماعت کی صورت بنائیں کہ ان کے تمام مظاہر ہی فرقہ وارانہ جانیں، اور وہ سب مل کر ایک امام کے ایک ایک اشارہ پر حرکت کریں، اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ نماز میں سارے مقتدی پاؤں سے پاؤں ملا کر خوب مل کر کھڑے ہوں تاکہ ان کے دل بھی اسی طرح مل جائیں، اور یہ فرمایا کہ جو شخص امام کے اٹھنے بیٹھنے سے پہلے اٹھ بیٹھ جائے، اس کو ڈرنا چاہیے، کہ اس کی صورت بدل کر گدھانہ بن جائے جو اپنی حماقت کے لیے مشہور ہے۔

اسلام کے سارے احکام میں نماز کی حیثیت سب سے بڑھی ہوئی ہے، اسی لیے اس کو دین کا ستون فرمایا ہے، عرب کی بے اطمینانی اب جیسی ہی دور ہوئی، آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے نماز کی طرف توجہ فرمائی، اس کے ارکان کی تکمیل اور اوقات کی تعیین تو مکہ ہی میں ہو چکی تھی، مگر اب جیسے جیسے اطمینان بڑھتا گیا، اس کی مظاہر ہی اور باطنی کیفیتوں کی طرف بھی توجہ پڑھتی گئی اب اس میں قرآن اور دعا کے سوا ہر قسم کی انسانی بول چال اشارے، سلام و کلام وغیرہ کی ممانعت ہو گئی ہے، اور ایک ساتھ ایک جگہ مل کر نماز پڑھنا، جس کو جماعت کہتے ہیں، واجب ٹھہرایا گیا، نماز کی سمت خانہ کعبہ مقرر ہوئی تاکہ دنیا بھر کے مسلمان وحدت کے ایک رنگ میں نمایاں ہوں،

ہفتہ کی اجتماعی نماز جس کا نام جمعہ ہے، گو مکہ ہی میں فرض ہو چکی تھی، مگر مکہ کی بے اطمینانی میں، حسب چار مسلمان بھی مل کر ایک جگہ نماز نہیں پڑھ سکتے تھے

تو آبادی کے سارے مسلمان مل کر ایک ساتھ نماز کس طرح پڑھ سکتے تھے، اس لیے جمعہ کی نماز مکہ میں ادا نہیں ہو سکتی تھی، مگر مسلمانوں کو مدینہ میں جیسے ہی اطمینان ملا، پہلے ہی ہفتہ میں دن کی روشنی میں دوپہر کے وقت زوال کے بعد ہی جمعہ کی نماز ادا کی، اور امام نے جمعہ کا خطبہ پڑھا، دوسرے ہفتہ میں خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) تشریف لے آئے، اور اس وقت سے آپ نماز جمعہ کی امامت کرنے لگے، اور نماز سے پہلے خدا کی تعریف (حمد) اور قرآن کی تلاوت کے ساتھ مسلمانوں کی تعلیم، تنبیہ اور نصیحت سے بھری ہوئی مختصر تقریر جس کو خطبہ کہتے ہیں فرماتے لگے،

مدینہ سے باہر دوسرے صوبوں کے شہروں اور آبادیوں میں مدینہ ہی سے یا ان ہی مقامات سے اماموں کا تقرر ہوا، یہ امام اس مقام کے مسلمانوں کے معلم، مبلغ، مفتی، اور پیشوا کی حیثیت رکھتے ہیں، وہ ان کو اچھی باتیں سکھاتے، بری باتوں سے روکتے، ان کو ضرورت کے مسئلے بتاتے، اور بچوں کو اللہ و رسول کا کلمہ سکھاتے، دین کی باتیں بتاتے، اور قرآن کی تعلیم دیتے،

اس غرض کے لیے ہر آبادی میں خدا کے نام سے نماز اور مسلمانوں کو دوسری اجتماعی ضرورتوں کے لیے مسجد بنائی گئیں، یہ مسجدیں ان کی نماز اور جماعت کا گھر ان کی تعلیم کا مدرسہ، ان کے وعظ و بنا کا مقام، ان کے قومی و دینی کاموں کی مشورہ گاہ، امدان کے قاضیوں اور حاکموں کی عدالت قرار پائیں،

غریب مسلمانوں کی امداد کے لیے زکوٰۃ کا نظام مقرر ہوا یعنی یہ کہ ہر مسلمان ہر سال اپنے اس سید نے چاندی کے مال پر جو اس کی ضرورت سے زیادہ ہو، سال بھر

کے بعد اس کا چالیسواں حصہ خدا کی راہ میں دے، اسی طرح اگر کسی کے پاس سوئے چاندی کے علاوہ جانور ہوں، یا کھیت ہوں، تو ان پر مختلف تعدادوں کے مطابق ایک حصہ خدا کے کاموں کے لیے فرض کیا گیا، یہ ساری زمین اور جانور اور پیداواریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں مسجد نبوی میں حضرت کے موزن حضرت بلال کے پاس یا کسی عامل کے پاس جمع ہوتی، اور ضرورت کے مطابق ضرورت مندوں میں بانٹ دی جاتی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کام کے لیے ایک الگ دفتر بنادیا گیا، جن کا نام بیت المال رکھا گیا، یہ بیت المال مسلمانوں کے امام کی نگرانی میں رہتا، اور ضرورت مند مسلمانوں کی ضرورتیں اس سے پوری کی جاتی،

۵۔ میں جب سارے عرب میں مسلمانوں کا شیرازہ بندھ گیا، تو عرب کے ہر حصہ میں زکوٰۃ کی تحصیل وصول کے لیے لوگ مقرر ہوئے، جن کو عامل کہتے ہیں، یہ لوگ ہر جگہ جا کر مسلمانوں سے زکوٰۃ کا مال وصول کرتے، اور لاکھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یا بیت المال میں جمع کرتے اور اپنا حساب پیش کرتے،

مسلمانوں کو اللہ کی طرف سے قرآن کی صورت میں زندگی کا جو ہدایت ملا اس کی خوشی اور مسرت کی تقریب میں اس کی سالانہ یادگار اسی مہینہ میں جس میں قرآن پاک پہلی دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا، یعنی رمضان کے مہینہ میں ہر سال منانا ضروری ٹھہرایا گیا، تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر شکریہ ادا کریں اور مہینہ بھر اسی کیفیت میں گزاریں، جس کیفیت میں اس مہینہ کو اسلام کے پیغمبر اور قرآن کے پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گزارا، ہم

صبح سے شام تک مہینہ بھر ہم کھانے پینے اور دوسرے نفسانی کاموں سے پرہیز کریں
جس کا نام روزہ ہے، اور ہوسکے تو راتوں کو کھڑے ہو کر دو دو رکعتوں میں کلام پاک
سنیں جن کو تراویح کہتے ہیں، اور دوسری عبادتوں میں یہ مہینہ بسر کریں، مہینہ کے
ختم ہونے پر شوال کی پہلی تاریخ کو عید کا دن منائیں، اچھے اچھے کپڑے پہنیں،
خوشبو لگائیں، اور سب مل کر عید گاہ جا کر شکرانہ کی دو رکعتیں ادا کریں، اور اس دن
نماز سے پہلے غریبوں کے کھانے کے لیے غلہ کی کچھ کچھ مقدار ان کے تذکر کریں، تاکہ
وہ بھی یہ دن خوشی خوشی منائیں،

رمضان درحقیقت اس قرآن پاک کے اترنے کی خوشی کا جشن ہے، جو
مسلمانوں کی ہر خیر و برکت کا اصلی سبب ہے، اور اس میں روزہ اس لیے فرض
ہوا ہے، کہ مسلمان وہ پاک کی زندگی بسر کرنا سیکھیں جس کو قرآن نے تقویٰ کہا ہے
اور جو قرآن کے اترنے کی اصلی غرض ہے،

اسلام کا چوتھا رکن حج ہے، اسلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین
کی اصلی شکل ہے، اس لیے جس طرح رمضان کا روزہ قرآن پاک کے اترنے کی
نیا دنگار ہے، اسی طرح حج حضرت ابراہیم کے دین کی یاد دنگار ہے، خانہ کعبہ وہ مقدس
مسجد ہے جس کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام نے خدا کے نام
پر سب سے پہلے بنایا تھا، تاکہ وہ دنیا میں خدا پرستوں کا مرکز ہو، جہاں دنیا کے ہر حصہ
سے ایک خدا کے ماننے والے سال میں ایک دفعہ اکٹھے ہو کر ابراہیمی طریقہ سے
خدا کی عبادت کریں،

لے اسی کو صدقہ الفطر کہتے ہیں، اس غلہ کی قیمت دیدینا بھی جائز ہے،

خانہ کعبہ وہ مسجد ہے جدھر منہ کر کے ہر مسلمان دن میں پانچ بار اپنی نماز ادا کرتا ہے، اب یہ ضروری ٹھہرا کہ مسلمانوں میں سے جن کو طاقت ہو اور ان کے پاس راستہ کا خرچ ہو، وہ عمر میں ایک دفعہ اس مسجد میں حاضر ہوں، اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس مسجد کے چاروں طرف پھیرے کریں، جو طواف کہلاتا ہے، اور صفا اور مروہ نامی دو پہاڑیوں کے بیچ میں ویسے ہی دوڑ دوڑ کر اللہ سے دعائیں مانگیں جیسے حضرت ہاجرہؑ دوڑی تھیں، اور عرفات و منیٰ کے میدانوں میں خدا کی بارگاہ میں گڑ گڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگیں، اور منیٰ میں آکر حضرت اسماعیلؑ کی طرح قربانی کا جشن منائیں، اور دنیا کے سارے مسلمان ایک جگہ مل کر دین اور دنیا کی بھلائی کی باتیں کریں، اور اپنی ساری دنیا میں پھیلی ہوئی اسلامی برادری کی بھلائی کی تجویز سوچیں، کلمہ توحید کے بعد اسلام کے یہ چاروں رکن ہیں، یہ چاروں رکن اب تکمیل کو پہنچ گئے، اور دین کے وہ احکام جو اخلاق کی پاکی اور معاملات میں عدل اور انصاف کا لحاظ رکھنے کے لیے ضروری تھے، وہ مسلمانوں کو سکھا دیئے گئے، اور عرب کے ملک میں مسلمانوں کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا، جو دین اسلام کا نمونہ اور اسلامی پیام کا قاصد بن کر دنیا کے دوسرے حصوں میں ہدایت کا پیام اور عمل پہنچا سکے، اور اس طرح ساری دنیا اسلام کی تعلیم سے منور ہو سکے،

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے انسانیت نے مساوات کا سبق سیکھ لیا، قرشی اور غیر قرشی، عرب اور عجم، کالے اور گورے، امیر اور غریب سب ایک خدا کے بندہ ہو کر اسلام کو ہر حق میں اور آخرت کے ہر مرتبہ میں برابر ٹھہر گئے، انسانوں کی پیدا کی ہوئی ساری تفریقیں مٹ گئیں، سب ایک آدم کے بیٹے ٹھہرے۔

اور آدم مٹی کا پتلا تھے،

خدا کے سوا ہر باطل کا خوف، آسمان و زمین کی ہر قوت کا ڈر، ہر باطل و سوسہ کا
ہراس، دیو، فرشتہ، بھوت، پریت، چاند، سورج، ستارے، دریا، جنگل، پہاڑ، غرض کہ
ہر مخلوق، ہر طاقت اور ہر راوی اور روحانی مظہر کی خدائی ہدیت جو کمزور انسانوں
پر چھائی تھی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حق کی آواز نے اس سارے
ظلم کو توڑ کر رکھ دیا،

عرب کے وہ سارے غلط رسم و رواج اور سارے جھوٹے قاعدے اور
بے شرمی اور بد اخلاقی کے پرانے دستور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے
مٹ گئے، اور وہ تعلیمات مسلمانوں کی زندگی کے اصول بھڑے، جو قرآن لایا، اور
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھائے، اب ایک نئی قوم، نئی امت، نیا تمدن
نیا قانون اور نئی حکومت زمین کے پردہ میں قائم ہوئی،

ہمارے پیغمبر کا آخری حج

(حجۃ الوداع ﷺ)

اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس مقصد کی خاطر زمین کے پر وہ پر بھیجا تھا، جب وہ انجام پا چکا تو اطلال آئی کہ تمہارا کام پورا ہو چکا، اب تم خدا کے پاس واپسی کے لیے تیار ہو جاؤ، سورہ نصر اذ آجاء نصر اللہ و انصرہ اسی واقعہ کی خبر ہے،

ذیقعدہ ۱۰؎ میں ہر طرف منادی ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سال حج کے ارادہ سے مکہ معظمہ تشریف لے جائیں گے، یہ خبر دفعۃً پورے عرب میں پھیل گئی، اور سارا عرب ساتھ چلنے کے لیے امنڈ آیا، ذیقعدہ کی ۲۶ کو آپ نے غسل فرمایا، اور چادر اور تہ باندھی اور ظہر کی نماز کے بعد مدینہ سے باہر نکلے مدینہ سے چھ میل پر ذوالحلیفہ کے مقام پر رات گزاری، اور دوسرے دن دوبارہ غسل فرما کر دو رکعت نماز ادا کی، اور احرام باندھ کر قصوۃ نامی اونٹنی پر سوار ہوا اور بلند آواز سے یہ الفاظ فرمائے، جو آج تک ہر حاجی کا ترانہ ہے،

لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ
اے خدا ہم تیرے لیے حاضر ہیں، اے خدا

اے حضور کی اونٹنی کا نام تھا،

لَا شَيْءَ يَكُ لَكَ لَبِيْكَ اِنْ
ہم تیرے لیے حاضر ہیں، تیرا کوئی شریک نہیں،

الْحَمْدُ وَالنِّعْمَةُ لَكَ وَ
ہم تیرے سامنے حاضر ہیں، تعریف اور نعمت

الْمُلْكُ لَا شَيْءَ يَكُ لَكَ
سب تیری ہو اور بادشاہی تیری ہی تیرا کوئی شریک نہیں،

حضرت جابر جو اس حدیث کے بیان کرنے والے ہیں، کہتے ہیں کہ ہم نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے دائیں بائیں جہاں تک نظر کام کرتی تھی، آدمیوں کا جھگل نظر آتا تھا، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک فرماتے تھے تو اس کے ساتھ کم و بیش ایک لاکھ آدمیوں کی زبان سے یہی نعرہ بلند ہوتا تھا، اور دفعۃً پہاڑوں کی چوٹیاں اس کی جواہری آواز سے گونج اٹھتی تھیں، اس طرح منزل بہ منزل آپ آگے بڑھتے چلے، یہاں تک کہ انوار کے رُوز و وجہ کی پانچ تاریخ کو مکہ میں داخل ہوئے،

کعبہ نظر آیا تو فرمایا اے نہ اس گھر کو عزت اور شرف دے، کعبہ کا طواف کیا، مقام براہیم میں کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی، اور صفائی پہاڑی پر چڑھ کر فرمایا:-

”خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی اور

اسی کی حمد ہے، وہی مارتا اور جلاتا ہے، وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، کوئی

خدا نہیں، مگر وہی اکیلا خدا، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد

کی، اور اکیلے سارے جہنوں کو شکست دی۔“

عمرہ سے فارغ ہو کر اپنے دوسرے صحابیوں کو احرام کھول دینے کی ہدایت فرمائی

یہ وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ یعنی حاجیوں کے ساتھ مکہ پہنچے جمعرات کے روز آٹھویں

مئی جمعہ کو اپنے سارے مسلمانوں کے ساتھ منیٰ میں قیام فرمایا، دوسرے دن نویں ذی الحجہ

کو صبح کی نماز پڑھ کر منیٰ سے روانہ ہوئے، عام مسلمانوں کے ساتھ عرفات آ کر ٹھہرے،

دو پہر ڈھل گئی تو قصوا پر سوار ہو کر میدان میں آئے، اور اسی اونٹنی پر بیٹھے
کا خطبہ دیا،

آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ و جلال کے ساتھ نمودار ہوا، اور جاہل
کے سارے یہودہ مراسم مٹا دیے گئے، آپ نے فرمایا:-

”ہاں جاہلیت کے سارے دستور اور رسم و رواج میرے دونوں پاؤں
کے نیچے ہیں۔“

عرب کی زمین ہمیشہ انتقام کے خون سے رنگین رہتی تھی، آج عرب کی زخموں
ہونے والی آپس کی لڑائیوں کے سلسلہ کو توڑا جاتا ہے، اور اس کے لیے نبوت
منادی سب سے پہلے اپنے خاندان کا نمونہ پیش کرتا ہے،

”جاہلیت کے سارے خون کے بدلے ختم کر دیے گئے، اور سب سے پہلے میں
اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن حارث کے بیٹے کے انتقامی خون کے بدلے لینے
کا حق چھوڑتا ہوں (یعنی دشمن کو معاف کرتا ہوں)۔“

تمام عرب میں سودی کاروبار کا ایک جال بچھتا تھا، جس سے عرب کے غریب
اور کاشتکار یہودی، مہاجرون اور عرب سرمایہ داروں کے ہاتھوں میں پھنسے
اور ہمیشہ کے لیے وہ ان کے غلام ہو جاتے تھے آج اس جال کا تار الگ کیا
اور اس کے لیے بھی سب سے پہلے اپنے خاندان کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے، ارشاد ہے:-
”جاہلیت کے سود مٹا دیے گئے اور سب سے پہلا سود جس کو میں مٹاتا ہوں وہ اپنے
خاندان کا یعنی عباس بن عبدالمطلب کا ہے۔“

العبادہ

آج تک عورتیں ایک طرح سے شوہروں کی منقولہ جائداد تھیں، جو جوؤں میں
ہاری اور جلتی جاسکتی تھیں، آج پہلا دن ہے کہ مظلوم گروہ انصاف کی داو پاتا ہے، فرمایا:-
”عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، تمہارا حق عورتوں پر ہے، اور عورتوں کا تم پر ہے۔“
عورتوں کے بعد انسانوں کا سب سے مظلوم طبقہ غلاموں کا تھا، آج اس کے انصاف
پانے کا دن آیا، فرمایا:-

”تمہارے غلام، تمہارے غلام، ان کے حق میں انصاف کرو، جو خود کھاؤ
وہ ان کو کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ،

عربین امن و امان نہ تھا، اس لیے جان اور مال کی کوئی قیمت نہ تھی، آج
امن و سلامتی کا بادشاہ ساری دنیا کو صلح کا پیغام دیتا ہے۔

”اُس میں تمہاری جان اور تمہارا مال ایک دوسرے کے لیے قیامت
تک اتنا ہی عزت کے قابل ہے جتنا آج کا دن، اس پاک مہینہ میں،
اور اس پاک شہر میں۔“

امن و امان کی اس منادی میں سب سے پہلی چیز اس دینی برادری کا وجود ہے،
جس نے قبیلوں اور خاندانوں کے رشتوں سے بڑھ کر عرب کے سارے قبیلوں بلکہ دنیا کے
سارے انسانوں میں اسلامی برادری کا رشتہ جوڑ دیا، ارشاد ہوا:-

”ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں۔“

دنیا کی بے اطمینانی کی سب سے بڑی چیز جس نے ہزاروں سال تک قوموں سے
لڑایا ہے، وہ قومی فخر و غرور ہے، آج اس فخر و غرور کا سر کچلا جاتا ہے، اعلان
ہوتا ہے:-

”ہاں! کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی بڑائی نہیں، تم سب ایک آدم کے بیٹے ہو، اور آدم مٹی سے بنا تھا۔“

اس کے بعد چند اصولی قانون کا اعلان فرمایا گیا،

(۱) خدا نے ہر حقدار کو (وراثت کی رو سے) اس کا حق وید یا اب کسی وارث کے حق میں وصیت جائز نہیں،

(۲) لڑکا اس کا ہے جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا، زنا کار کے لیے پتھر ہے، اور ان کا حساب خدا کے ذمہ ہے،

(۳) ہاں! عورت کو اپنے شوہر کے مال سے اس کی اجازت کے بغیر کسی کو کچھ دینا جائز نہیں۔“

(۴) قرض دار کو قرض ادا کیا جائے، عاریت لیا ہوا مال واپس کیا جائے، ہنگامی عطیے واپس کیے جائیں، جو ضامن بنے وہ تاوان کا ذمہ دار ہو۔“

آج امت کے ہاتھوں میں اس کی ہدایت کے لیے وہ دائمی چراغ مرحوم ہوتا ہے جس کی روشنی میں جب تک کوئی چلتا رہے گا، ہر گمراہی سے بچتا رہے گا۔ فرمایا:-

”میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں، اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا، تو پھر کبھی گمراہ نہ ہو گے، اور وہ خدا کی کتاب ہے، یہ فرما کر آپ نے مجمع کی طرف خطاب کیا،

”تم سے خدا کے ہاں میری نسبت بوجھا جائے گا، تو تم کیا جواب دو گے؟“

ایک لاکھ زبانوں نے ایک ساتھ گواہی دی، ہم کہیں گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا،

ادا کر دیا پس کر آپ نے آسمان کی طرف انگلی اٹھائی، اور تین بار فرمایا اے خدا تو گواہ رہ،
عین اُس وقت جب آپ نبوت کا یہ آخری فرض ادا کر رہے تھے، خدا کی
سے یہ بشارت آئی۔

اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ
وَاَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضْتُ
لَكُمْ اِسْلَامَ دِيْنَا (مائدہ - ۱)

آج میں نے تمہارے دین کو پورا
کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور
تمہارے دین کو اسلام کے دین کو چن لیا،

خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت بلالؓ نے اذان دی، اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی، کیا عجیب منظر تھا کہ آج سے بائیس برس
نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خدا کی پرستش کی دعوت دی تو محمد
صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چند ساتھیوں کے سوا کوئی گردن خدا کے آگے خم نہ
اور آج بائیس برس کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ گردن
کے حضور میں جھکی تھیں، اور اللہ اکبر کا نعرہ ذرہ ذرہ سے بلند تھا،

نماز سے فارغ ہو کر بنا قور سوار مسلمانوں کے ساتھ موقف تشریف لائے،
وہاں کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ کی طرف منہ کیے ہوئے دعا و زاری میں مصروف
جب آفتاب ڈوبنے لگا تو چلنے کی تیاری کی، دفعہ ایک لاکھ آدمیوں کے
مہمین تلاطم برپا ہو گیا، آپ آگے بڑھتے جاتے تھے، اور ہاتھ سے اشارہ کرتے،
ان سے فرماتے جاتے تھے، لوگو! امن اور سکون کے ساتھ، لوگو! امن اور سکون
ساتھ، مغرب کا وقت تنگ ہو رہا تھا کہ سارا قافلہ مرفوفہ کے مقام پر پہنچا، یہاں پہلے
پہنچے، پھر فرائض کی نماز ادا ہوئی،

یہ یاد رکھنے کی ہر گز میں غور نہ کرنا کہ ایک ساتھ درمیان میں ایک ساتھ (دعا کی تھیں)

صبح سویرے فجر کی نماز پڑھ کر قافلہ آگے بڑھا، جان نثار داہنے بائیں تھے، اہل ضرورت کے مسئلے پوچھ رہے تھے، اور آپ ان کے جواب دیتے جاتے تھے، ہرچہ پہنچ کر کنکریاں پھینکین، اور لوگوں سے خطاب کر کے فرمایا،
 ”مذہبِ بنی خدا کی سقر کی ہوئی حد سے آگے نہ بڑھنا تم سے پہلی قومیں اسی برباد ہوئیں“
 اسی درمیان میں یہ فقرہ بھی فرمایا، جس سے وداع و رخصت کا اشارہ ملتا تھا،
 ”جج کے مسئلے سیکھ لو، میں نہیں جانتا کہ پھر جج کرسکون گگا“

یہاں سے نکل کر اب منیٰ میں تشریف لائے، داہنے بائیں آگے پیچھے مسلمانوں کا ہجوم تھا، ہاجرین قبلہ کے داہنے ارضاء بائیں، اور یحییٰ میں عام مسلمانوں کی صفیں تھیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ناقہ پر سوار تھے، آپ نے آنکھیں اٹھا کر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو نبوت کے ۲۳ سال کے کارنامے نگاہوں کے سامنے تھے، زمین سے آسمان تک قبول اور اعتراف کا نور پھیلا تھا، اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک نئے عہد کا آغاز تھا، اسی عالم میں محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان فیضِ ترجمان سے یہ فقرے ادا ہوئے:-

”ہاں! اللہ نے آسمان اور زمین کو جب پیدا کیا تھا، آج زمانہ پھر پھر اسی فطرت پر آگیا، تمہاری جانیں اور تمہاری ملکیتیں آپس میں ایک دوسرے کیلئے ویسی ہی عزت کے قابل ہیں، جیسے آج کا دن، اس عزت کے ہیئت میں اور اس عزت والی آبادی میں، ہاں! دیکھنا میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ خود ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو، تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور وہ تم کو تمہارے کاموں کی بابت پوچھے گا، اگر تم پر ایک کالانکا غلام بھی سرور

بنادیا جائے، جو خدا کی کتاب کے مطابق تم کو لے چلے، تو اس کا کہا ماننا،
اپنے پروردگار کی پرستش کرنا، باخون دقون کی نمازین پڑھنا، رمضان کے مہینہ کا
روزہ رکھنا، اور میرے حکموں کو ماننا، تم اپنے پروردگار کی جنت میں داخل ہو
ہاں! اب شیطان اس سے ناامید ہو گیا کہ تمھارے اس شہر میں اس کی پرستش
پھر کبھی ہوگی، ہاں! چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کے کہنے میں آجاؤ گے،
اور وہ اسی سے خوش ہوگا۔“

ہم آپ نے مجمع کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کیا میں نے اپنا پیغام پہنچا دیا، ہر طرف سے
ازین آنے لگین، ہاں بیشک، فرمایا، خداوند اگواہ رہنا، یہ کہمرا دشاؤ فرمایا، جو یہاں
نہ ہو ہے، وہ اس پیغام کو اس تک پہنچا دے، جو یہاں نہیں، یہ گویا تبلیغ کا وہ فریضہ
ہاں جو ہر مسلمان کی زندگی کا جز ہے، ان سب کے بعد آپ نے تمام مسلمانوں کو
بوداع کہا،

حج کے دوسرے کاموں سے فرصت کر کے ہر ذی الحجہ کو فجر کی نماز خانہ کعبہ میں
ہمکریا تافلہ اپنے اپنے مقام کو روانہ ہو گیا، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے
مہاجرین اور انصار کے جھڑٹ میں مدینہ کی راہ لی،

وفات

بیچ الاولیاء

مئی ۱۳۲۲ھ

حضور کی پاک روح کو اس دنیا میں اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ نبوت کا کام پورا اور توحید کی روشنی سے دنیا کا اندھیرا دور ہو جائے، اور جب یہ کام پورا ہو چکا تو پھر خدا کے پاس واپسی کا حکم آپنا، حجۃ الوداع کے موقع پر عام مسلمانوں کو اپنے دیدار سے مشرف فرما کر خدا کے آخری احکام سے مطلع فرمایا، حج کے سفر سے واپس ہونے کے دو ماہ بعد آپ نے ان مسلمانوں سے بھی رخصت ہونا چاہا جو شہادت کا پیالہ پی کر ہمیشہ کی زندگی پا چکے تھے، چنانچہ اُحد جا کر آپ نے اُحد کے شہیدوں کیلئے دعا فرمائی، اور ان کو ٹھیک اس طرح رخصت کیا، جیسے مرنے والا اپنے زندہ عزیزوں کو رخصت کرتا ہے، اس کے بعد ایک مختصر تقریر کی جس میں فرمایا:-

”میں تم سے پہلے حوض کوثر پر جا رہا ہوں، اس حوض کی وسعت اتنی ہے جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجھ کو دنیا کے سارے خزانوں کی کنیاں دی گئیں، مجھے یہ ڈر نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرنے لگو گے، البتہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم دنیا میں پھنس کر آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ، تو پھر تم بھی

اسی طرح برباد ہو جاؤ، جیسے پہلی توہین برباد ہو گئیں۔

اُحد کے شہیدوں کے بعد عام مسلمانوں کے قبرستان کی باری آئی، صفر^{۱۴۰۰} کی کسی درمیانی تاریخ میں آدھی رات کو آپ مسلمانوں کے عام قبرستان میں جبکہ نام خبۃ البقیع ہے، تشریف لے گئے، اور ان کے لیے دعائے خیر فرمائی، واپس آئے تو مزاج ناساز ہوا، یہ بڑھ کا دن اور ام المومنین حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا، پانچ دن تک اس بیماری کی حالت میں بھی باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ دکھائی، میں تشریف لے جاتے، پھر کے دن بیماری زیادہ ہوتی، تو بیویوں سے اجازت لی کہ حضرت عائشہؓ کے گھر قیام فرمائیں، کمزوری اتنی تھی کہ بے سہارا چل نہیں سکتے تھے، حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دو دنوں بازو تھام کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں لائے،

جب تک آنے جانے کی طاقت رہی مسجد میں نماز پڑھنے کو تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز آپ نے مغرب کی پڑھائی، عشا کا وقت آیا، دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی، لوگوں نے عرض کی حضورؐ کا انتظار ہے، لیکن میں پانی بھر کر غسل فرمایا، لیکن جب اٹھنا چاہا تو غش آگیا، افاقہ ہوا تو پھر پوچھا، نماز ہو چکی، پھر کہا گیا کہ حضورؐ کا انتظار ہے، آپ نے پھر غسل فرمایا، اور اٹھنا چاہا، تو بیہوش ہو گئے، افاقہ ہوا، تو پھر دریافت فرمایا، تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا گیا پھر اٹھنے کا ارادہ کیا، تو پھر غشی طاری ہو گئی، اب جب افاقہ ہوا، تو ارشاد فرمایا کہ اب بکھرنا نماز پڑھائی، چنانچہ کئی دن تک حضرت ابوبکرؓ نے نماز پڑھائی،

لے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ ایک ایک دن ہر بیوی کے گھر قیام فرماتے،

وفات کے چار روز پہلے طبیعت میں کچھ سکون ہوا، ظہر کے وقت پانی کی سات
 مشکون سے غسل فرما کر حضرت عباسؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کے مہائے سے آپؐ مسجد میں
 تشریف لائے، جماعت کھڑی تھی، حضرت ابو بکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پا کر انھوں نے
 پیچھے ہٹنا چاہا، مگر آپؐ نے روک دیا، اور ان کے پہلو میں آکر بیٹھ گئے، نماز کے بعد ایک
 مختصر خطبہ دیا، جس میں فرمایا کہ خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ
 دنیا کی نعمتوں کو قبول کرے، یا خدا کے پاس جو کچھ ہے، اس کو قبول کرے، لیکن اس نے
 خدا ہی کے پاس کی چیزیں قبول کیں، یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ رو پڑے، کیونکہ وہ سمجھ چکے
 تھے، کہ یہ بندہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، انصار کی وفاداری کا خیال
 فرما کر ان کی نسبت فرمایا،

”عام مسلمان بڑھتے جائیں گے، لیکن انصار اسی طرح کم ہو کر رہ جائیں گے،
 جیسے کھانے میں نمک، مسلمانوں! وہ اپنا کام کر چکے اب تمہیں اپنا کام کرنا ہے“
 وہ میرے جسم میں بمنزلہ معدہ کے ہیں، میرے بعد جو اسلام کے کاموں کو اپنے
 ہاتھ میں لے میں اس کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے ساتھ نیک سلوک کرے،
 شرک کا بڑا ذریعہ یہ تھا کہ لوگ پیغمبروں کی نسبت شرعی حد سے بھی بڑھ کر عقیدت
 کا اظہار کرنے لگتے تھے، ان کو شریعت کا حاکم مطلق سمجھتے تھے، یہ نکتہ اس وقت
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا، فرمایا،

”حرام و حلال کی نسبت میری طرف نہ کی جائے، میں نے وہی چیز حلال کی ہے
 جو خدا نے حلال کی ہے، اور وہی چیز حرام کی ہے، جو خدا نے حرام کی ہے،“
 اسلام کی تعلیم کے بموجب عمل کے بغیر حسب و نسب کوئی چیز نہیں، یہاں تک کہ

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں بھی نہیں، فرمایا:-

”اے پیغمبر خدا کی بیٹی فاطمہؑ! اور اے پیغمبر خدا کی پھوپھی صفیہ! خدا کے ہاں کے لیے

کچھ کر لو، میں تمہیں خدا سے نہیں بچا سکتا۔“

خطبہ سے فارغ ہو کر حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں تشریف لے آئے،

یہودیوں اور عیسائیوں نے پیغمبروں اور بزرگوں کے فراہوں اور یادگاروں

کی تنظیم میں جو مبالغہ کیا تھا، وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گیا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

کی نظر کے سامنے اس وقت مسلمانوں کی صورت حال تھی کہ وہ میرے بعد میری قبر اور

یادگاروں کے ساتھ کہیں ہی نہ کریں، اتفاق سے حضورؐ کی بعض بی بیوں نے جنہوں نے

حبشہ کے سفر میں عیسائی گرجوں کو دیکھا تھا، ان کے مجسموں اور بتوں کا تذکرہ کیا،

آپؐ نے فرمایا: ”ان لوگوں میں جب کوئی نیک آدمی مر جاتا ہے، تو اس کے مقبرہ

کو عبادت گاہ بنا لیتے ہیں، اور اس کا بت بنا کر اس میں کھڑا کرتے ہیں، ایسا کرنے

والے قیامت کے دن بہت برے ٹھہریں گے۔“

عین جینی کی حالت میں جب کبھی چار منہ پر ڈال لیتی کبھی گرجوں سے ملتی

الٹ دیتے، آہستہ سے یہ فرمایا:-

”یہود اور نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی

قبروں کو عبادت کا گھر بنا لیا ہے۔“

اسی حالت میں یاد آیا کہ حضرت عائشہؓ کے پاس کچھ اشرفیان رکھوائے گئے

دیکھا کہ عائشہؓ! وہ اشرفیان کہاں ہیں؟ کیا محمد خدا سے بدگمان ہو کر بیٹے کا یہ اشرفیان

خدا کی راہ میں خیرات کر دو،

مرض میں زیادتی اور کمی ہوتی رہتی تھی، جس دن وفات ہوئی، یعنی پیر کے دن
 بظاہر طبیعت ملکی تھی، حجرہ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ نے صبح کے وقت پردہ اٹھا کر
 دیکھا تو لوگ فجر کی نماز میں مشغول تھے، دیکھ کر مسکرا دیے، کہ خدا کی زمین میں آخر وہ گرو
 پیدا ہو گیا، جو رسول کی تعلیم کا نمونہ بن کر خدا کی یاد میں لگا ہے، لوگوں نے آہٹ پا کر
 خیال کیا کہ آپ باہر آنا چاہتے ہیں، خوشی سے لوگ بے قابو ہو چلے تھے، اور
 قریب تھا کہ نمازین ٹوٹ جائیں، حضرت ابو بکرؓ نے جو امام تھے، جا پا کر پیچھے ہٹ
 جائیں، لیکن آپ نے اشارہ سے روکا، اور حجرہ کے اندر ہو کر پردہ چھوڑ دیا، کمزوری
 اتنی تھی کہ آپ پردہ بھی اچھی طرح نہ چھوڑ سکے، یہ سب آنوی موقع تھا، جس میں
 عام مسلمانوں نے حضور کو آپ کی زندگی میں دیکھا،

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپ پر بار بار غشی طاری ہو رہی تھی، حضرت فاطمہؓ
 زہراءؓ دیکھ کر بولیں، "اے میرے باپ کی بے چینی! آپ نے سنا تو فرمایا، تمہارا باپ
 آج کے بعد پھر بچپن نہ ہو گا۔"

سہ پہر تھی، سینہ میں سانس کی گھر گھراہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے میں مبارک
 ہونٹ بے، تو لوگوں نے آپ کو یہ کہتے سنا،
 "نماز اور غلاموں سے نیک برتاؤ۔"

اتنے میں ہاتھ اٹھا کر انگلی سے اشارہ کیا، اور تین دفعہ فرمایا،
 بل الرفیق الاعلیٰ اب اور کوئی نہیں وہی سب بڑھکر سامنے

(خدا) جا ہے،

یہی کہتے کہتے ہاتھ ٹک آئے، آنکھیں پھٹ کر چھٹ لگ گئیں، اور روح پاک عالم قدس

میں پہنچ گئی، اللہُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلَیْكَ عَلٰی اَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْنَ
 مدینہ کی گلیوں میں جان ٹٹاؤں کے رونے کی آوازیں آنے لگیں، اُن کی
 آنکھوں میں دنیا اندھیری ہو گئی، مسجد نبویؐ میں کھرام بچ گیا، حضرت عمرؓ نے
 تلوار نکال لی کہ جو یہ کہے گا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، اسکا
 سرا ڈاؤں گا، حضرت ابو بکرؓ آئے اور حضرت عمرؓ کی اس حالت کو دیکھا تو
 سمجھ گئے کہ آج کا دُھند لکا کل کتنی بڑی گمراہی کا سبب ہو سکتا ہے، انھوں نے
 سیدے منبر نبویؐ کی طرف رخ کیا، اور یہ تقریر فرمائی،

”لوگو! اگر کوئی محمدؐ کو پوجتا تھا، تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دنیا سے تشریف
 لے گئے، اور اگر کوئی محمدؐ کے رب کو پوجتا تھا، تو وہ زندہ ہے، اس کو
 موت نہیں، (پھر یہ آیت تلاوت فرمائی)

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ	اور محمد تو خدا کے رسول ہیں اُن
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ	سے پہلے بہت سے بنی گذر چکے،
أَفَاتُ مَاتَ أَوْ قُتِلَ	کیا وہ اگر مر جائیں، یا خدا کی راہ میں
انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ	مارے جائیں تو کیا تم اپنے پچھلے پاؤں
مَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ	اسلام سے لوٹ جاؤ گے، اور جو کوئی
فَلَنُيْضِلَنَّ اللَّهُ شَيْئًا	لوٹ جائیگا، تو وہ خدا کا کچھ نہیں
يَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ	بکھڑے گا، اور اللہ اس نعمت کی
(۱۱ عمران ۱۵)	قدر جاننے والوں کو خیراتے خیر دے گا،

اس آیت کا سننا تھا، کہ سارے مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئیں، اور ایسا معلوم ہوا

کہ یہ آیت پاک آج ہی اتری ہے، ہر مسلمان کی زبان پر یہی آیت تھی، اور یہی
کا پھر چاہتا تھا،

مفسر انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہجرت کے گیارہویں سال ربیع الاول
کے پہلے دو شنبہ یعنی پیر کے دن سے پھر کے وقت ہوئی، مشہور روایت ہے کہ یہ بارہ
ربیع الاول کی تاریخ تھی، مگر خاص لوگوں کی تحقیق یہ ہے کہ ربیع الاول کی پہلی تھی،
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تجیز و تکفین کا کام منگل (دس شنبہ) کو شروع ہوا
اور آپ کے خاص عزیزوں نے اُس کام کو انجام دیا، حضرت فضل بن عباس، حضرت
ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت زید کے بیٹے حضرت اسماء نے
آپ کو اٹھایا، حضرت عباس بھی موجود تھے، حضرت عائشہ کے جس حجرہ میں آپ نے
وفات پائی تھی، وہیں آپ کو دفن کیا گیا، اور اسی لیے یہ حجرہ آج کے دن تک
روح حضرت عائشہ کے نام سے موسوم ہے۔

یہ پوری تحقیق سیرۃ النبی (مولفہ مولانا شبلی نعمانی جلد دوم) میں بیان کی گئی ہے،

ازواج و اولادِ رضی اللہ عنہم

ازواج | آنحضرت ﷺ کی سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ اور زینبؓ کی لڑکی حضرت سوڈہؓ سے نکاح کیا، اس کے بعد دوسری بیویان نکاح میں آئیں، جن کے نام یہ ہیں:-

حضرت زینبؓ ام المساکین، حضرت ام سلمہؓ، حضرت زینب بنت جحشؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیانؓ، حضرت حفصہ بنت عمرؓ، خطابؓ، حضرت میمونہ بنت حارثؓ اور حضرت صفیہؓ،

ان میں حضرت زینبؓ ام المساکین کے علاوہ اور سب بیویان آپ کی وفات کے وقت زندہ تھیں، اور آپ کے بعد اپنے دینی اور علمی فیض و برکت سے دنیا کو مال مال کرتی رہیں، آپ کی ایک بیوی اور تھیں، جو کنیر تھیں اور مصر سی آئی تھیں، اور ماریہ قبطیہ کہلاتی تھیں، یہ سب ساری امت کی مائیں تھیں، اس لیے اہمات المؤمنین کہی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی رضا ان کے ساتھ ہو،

اولاد | آپ کی ساری اولاد میں صرف پہلی بیوی حضرت خدیجہؓ سے ہوئیں، اخیر بیوی حضرت ماریہؓ سے ایک صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے تھے، جو بچپن ہی لے بیویان لے بنت لڑکی کو کہتے ہیں،

بین وفات پا گئے۔ حضرت خدیجہؓ سے تین صاحبزادے حضرت قاسم، حضرت طاہر اور
 حضرت طیب ہوئے تھے، انھوں نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی، باقی اور چار صاحبزادے
 ہوئے، اور سب کے اسلام کا زیادہ پایا، سب سے بڑی حضرت زینبؓ جن کا نکاح ابو العاص
 سے ہوا تھا، انھوں نے سب سے پہلے میں امامہ نام ایک بچی چھوڑ کر وفات پائی، منجلی کا
 نام حضرت رقیہؓ تھا، جو اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کے نکاح میں آئیں، اور مدینہ
 آکر سب سے پہلے انتقال کیا، تیسری صاحبزادی کا نام ام کلثومؓ تھا، حضرت رقیہؓ
 کے انتقال کے بعد ان سے حضرت عثمانؓ نے نکاح کیا، اور سب سے پہلے میں وفات
 پائی، چھوٹی صاحبزادی جو حضرت کو سب سے زیادہ پیاری تھیں، حضرت فاطمہؓ
 زہراؓ تھیں، جن سے حضرت علی مرتضیٰؓ نے شادی کی، اور ان سے دو صاحبزادے
 حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے،

اخلاق و عادات

کسی نے اُم المؤمنین حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور انور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق کیسے تھے؟ اوٹھوں نے کہا، کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا ہے؟ جو کچھ قرآن میں ہے، وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق تھے، غرض آپ کی ساری زندگی قرآن پاک کی عملی تفسیر تھی، اور یہ بھی آپ کا ایک معجزہ ہے، خود قرآن نے اس کی شہادت دی اور کہا اِنَّكَ لَعَلٰی خَلَقْتَ عَزِيزٌ مِّنْ شَيْءٍ اَعْمٰدًا! آپ حسن اخلاق کے بڑے رتبہ پر ہیں،

حضور نہایت خاکسار، ملنسار، مہربان اور رحمدل تھے، چھوٹے بڑے سب سے محبت کرتے، نہایت سخی، فیاض اور داد و دہش والے تھے، امکان بھر سب کی درخواست پوری کرتے، تمام عمر کسی کے سوال پر نہیں ”نہیں“ کہا، خود بھوکے رہتے، اور دوسروں کو کھلاتے، ایک مرتبہ ایک صحابی کی شادی ہوئی، ان کے پاس دہیمہ کا کچھ سامان نہ تھا، حضور نے ان سے فرمایا کہ عائشہؓ کے پاس جاؤ، اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، حالانکہ اس آٹے کے سوا شام کے لیے گھر میں کچھ بھی نہ تھا، فیاضی اور دنیا کے مال سے بے تعلقی کا یہ عالم تھا کہ گھر میں نقد کی قسم سے کوئی چیز بھی ہوتی تو حب تک وہ سب خیرات نہ کر دیجاتی، آپ اکثر گھر میں آرام نہ فرماتے، ایک بار فدک کے رئیس نے چار اونٹوں پر غلہ بھجوا، اس کو بیچ کر قرض ادا کیا گیا، پھر بھی کچھ بچ رہا، آپ نے کہا کہ جب تک کچھ بھی باقی رہے گا، میں گھر میں نہیں

جاسکتا، رات مسجد میں بسر کی، دوسرے دن جب معلوم ہوا کہ وہ غلط تقسیم ہو چکا ہے، تب گھر پر تشریف لے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے مہمان نواز تھے، آپ کے یہاں مسلمان، مشرک اور کافر سب ہی مہمان ہوتے، آپ سب کی خاطر کرتے، اور خود ہی سب کی خدمت کرتے۔ کبھی ایسا ہوتا، کہ مہمان آجاتے اور گھر میں جو کچھ موجود رہتا، وہ ان کو کھلا پلا دیا جاتا، اور پوچھ گھر فاقہ کرتا، ایک دفعہ آپ کے یہاں ایک کافر مہمان ہوا، آپ نے ایک بکری کا دودھ اس کو پلایا، وہ سب دودھ پی گیا، آپ نے دوسری بکری منگوائی، یہ اس کا بھی دودھ پی گیا، غرض سات بکریوں تک نوبت آئی، جب تک اس کا پیٹ نہ بھر گیا، آپ دودھ پلاتے گئے، راتوں کو اٹھ اٹھ کر مہمانوں کی دیکھ بھال فرماتے، کہ ان کو کوئی تکلیف تو نہیں ہے، گھر میں رہتے تو گھر کے کام کاج اپنے ہاتھوں سے کرتے، اپنے پھٹے کپڑے آپ سی لیتے، اپنے پھٹے جوتے کو خود گھنٹہ لیتے، بکریوں کا دودھ اپنے ہاتھوں سے دوتے، مجمع میں بیٹھتے تو سب کے برابر ہو کر بیٹھتے، مسجد نبویؐ کے بنانے اور خندق کے کھودنے میں سب مزدوروں کے ساتھ مل کر آپ نے بھی کام کیے۔

آپ یتیموں سے محبت رکھتے، اور ان کے ساتھ بھلائی کی تاکید کرتے فرمایا، مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم بچے کے ساتھ بھلائی کی جارہی ہے، اور سب سے خراب گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم بچے کے ساتھ برائی کی جاتی ہو، آپ کی جیتی بیٹی حضرت فاطمہؓ جن کی حالت یہ تھی کہ چکی پیستے پھیلایاں گھس گئی تھیں، اور مشک میں بانی بھر بھر لالہ سے سینہ یرنیل کے واسطے بڑھ گئے تھے، انھوں نے ایک دن آپ کے ایک خادمہ کے لیے عرض کیا، اپنے جواب دیا، فاطمہؓ ہر کے یتیم قسم سے پہلے درخواست کر چکے ہیں، ایک رات

میں ہے کہ اے فاطمہ صفہ کے غریبوں کا اب تک کوئی انتظام نہیں ہوا ہے، تو تمہاری درخواست کیسے قبول کروں،

غریبوں کے ساتھ آپ کا برتاؤ ایسا ہوتا کہ ان کو اپنی غریبی محسوس نہ ہوتی، ان کی مدد فرماتے، اور ان کی دلجوئی کرتے، اکثر دعا مانگتے تھے کہ خداوند مجھے مسکین زندہ رکھے، مسکین اٹھا، اور مسکینوں ہی کیساتھ میرا حشر کر، ایک بار ایک پورا قبیلہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ لوگ اتنے غریب تھے کہ ان میں سے کسی کے بدن پر کوئی ٹھیک کپڑا نہ تھا، ننگے بدن، ننگے پاؤں، ان کو دیکھ کر آپ پر بہت اثر ہوا، پریشانی میں اندر گئے باہر تشریف لائے، اس کے بعد سب مسلمانوں کو جمع کر کے ان لوگوں کی امداد کے لیے فرمایا،

آپ مظلوموں کی فریاد سنتے، اور انصاف کے ساتھ ان کا حق دلاتے، کمزوروں پر رحم کھاتے، بکیوں کا سہارا بنتے، مقروضوں کا قرض ادا کرتے، حکم تھا کہ جو مسلمان مر جائے، اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، میں اس کو ادا کروں گا، اور وہ جو ترکہ چھوڑ جائے، وہ وارثوں کا حق ہے، مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے، آپ بیماروں کو تسلی دیتے، ان کو دیکھنے جاتے، دوست دشمن اور سون و کافر کی اس میں کوئی قید نہ تھی، گنہگاروں کو معاف کر دیتے، دشمنوں کے حق میں دعائے خیر فرماتے، جانی دشمنوں اور قاتلانہ حملہ کرنے والوں تک سے بدال نہیں لیا، ایک بار ایک شخص نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہ اس کو گرفتار کر کے سزا لائے، وہ آپ کو دیکھ کر ڈر گیا، آپ نے فرمایا: وہ نہیں اگر تم کو قتل کرنا چاہتے ہیں تو نہیں کر سکتے تھے،

ہیار بن الاسود جو ایک طرح سے حضورؐ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا
قاتل تھا، فتح مکہ کے موقع پر اس نے جاہا کہ ایران بھاگ جائے، لیکن وہ سب سے
حضورؐ کے پاس آیا، اور کہا یا رسول اللہ! میں بھاگ کر ایران جانا چاہتا تھا، لیکن
آپ کا رخم و کرم یاد آیا، اب میں حاضر ہوں، اور میرے جن جوہوں کی خبر آپ کو
ملی ہے، وہ درست ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو معاف کر دیا،

ہمسایوں کی خبر گیری فرماتے، ان کے ہاں تحفے بھیجتے، ان کا حق پورا کرنے
کی تاکید فرماتے رہتے، ایک دن صحابہ کا مجمع تھا، آپؐ نے فرمایا، خدا کی قسم وہ جو
نہ ہوگا، خدا کی قسم وہ جو نہ ہوگا، صحابہ نے پوچھا کون یا رسول اللہ! فرمایا وہ جس کا
پڑوسی اس کی شرارتوں سے بچا ہوا نہ ہو، آپؐ اپنے پڑوسیوں کے گھر جا کر ان کے
کام کر آتے، پڑوسیوں کے سوا، اور جو بھی آپؐ سے کسی کام کے لیے کہتا، اس کو پورا
فرماتے، مدینہ کی لونڈیاں آپؐ کی خدمت میں آتیں، اور کہتیں یا رسول اللہ! میرا
یہ کام ہے، آپؐ فوراً اٹھ کھڑے ہوتے، اور ان کا کام کر دیتے، بیوہ ہو یا مسکین یا
کوئی اور ضرورت مند سب ہی کی ضرورتوں کو آپؐ پورا فرماتے، اور دوسروں کے
کام کرنے میں عار محسوس نہ فرماتے،

بچوں سے بڑی محبت فرماتے تھے، ان کو چومتے اور پیار کرتے تھے، فضل
کا نیا میوہ سب کے عمر بچہ جو اس وقت موجود ہوتا، اس کو دیتے، راستہ میں بچے
مل جاتے، تو خود ان کو سلام فرماتے، اسلام سے پہلے عورتیں ہمیشہ ذلیل ہی تھیں
لیکن ہمارے حضورؐ نے ان پر بہت احسان فرمایا، ان کے حقوق مقرر فرمائے، اور
اپنے برتاؤ سے ظاہر فرمادیا کہ یہ طبقہ حقیر نہیں ہے، بلکہ عزت اور ہمدردی کے لائق ہے،

آپ کے پاس ہر وقت مردوں کا مجمع رہتا تھا، عورتوں کو آپ کی باتیں سننے کا موقع نہ ملتا۔ اس لیے خود عورتوں کی درخواست پر آپ نے ان کے لیے خاص دن مقرر فرما دیا تھا۔ عورتیں دلیری اور بے تکلفی سے آپ سے مسائل پوچھتیں، لیکن آپ برا زمانے ان کی خاطر داری کا خیال رکھتے تھے۔

آپ ساری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے تھے، اس لیے کسی کے ساتھ بھی زیادتی اور نا انصافی کو پسند نہ فرماتے تھے، یہاں تک کہ جانور کے ساتھ لوگ جو بے پروائی برتتے تھے، وہ بھی آپ کو گوارا نہ دیتی، اور ان بے زبانوں پر جو ظلم ہوتا آیا تھا، اس کو روک دیا۔

ایک بار ایک صاحب نے ایک پرندہ کا انڈا اٹھا لیا، چڑیا بے قرار ہو کر پر مار رہی تھی، آپ نے پوچھا کہ کس نے اس کا انڈا لیا ہے، اور اس کو دکھ پہنچایا ہے؟ ان صاحب نے کہا کہ یا رسول اللہ میں نے یہ کیا ہے، آپ نے فرمایا وہی رکھ دو، آپ کی نظر میں امیر و غریب سب برابر تھے، قبیلہ مخزوم کی ایک عورت جو رسی کے جرم میں گرفتار ہوئی، لوگوں نے حضرت اسامہ بن کو آپ بہت چاہتے تھے، ان سے سفارش کرائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے فرمایا، کہ تم سے پہلے کی توہین اسی لیے برباد ہو گئیں، کہ جب کوئی بڑا آدمی جرم کرتا، تو اس کو چھوڑ دیتے، اور معمولی آدمی جرم کرتا، تو وہ سزا پاتا، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی ہاتھ کرتی، تو اس کے ہاتھ بھی کاٹے جاتے،

وہ بیویں میں رحمت لقب پانے والی
مراویں غریبوں کی بلانے والی
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والی
وہ اپنے پرانے کا غم کھانے والی

فقیروں کا لہجہ ضعیفوں کا مادی

یتیموں کا دالی، غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے درگزر کرنے والا بد اندیش کے دل میں گھر کھنے والا
مغاسہ کا زبردست بر کرنے والا قبائل کا شیر و شکر کرنے والا

اتر کر حراسے سے قوم آیا

اور اک نسخہ کیسٹ ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندہ بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پر قرون سے تھا چل چلا پلٹ دیا جس اک ان میں اکی لایا

رہا ڈرہ پڑے کو موج بلا کا

ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس آپؐ کی خدمت میں گزارے
مگر آپؐ نے نہ کبھی ڈانٹا، نہ مارا، نہ یہ پوچھا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا، اور کیوں نہ کیا،
آپؐ نے تمام عمر کبھی کسی کو نہیں مارا، اور یہ کیا عجیب بات ہے کہ ایک فوج کا
جوشیل جس نے مسلسل نو برس لڑائیوں میں گزارے، اور جس نے کبھی لڑائی کے
میدان سے منہ نہیں موڑا، اس نے اپنے دشمن پر بھی کبھی تلوار نہیں اٹھائی، اور
نہ کبھی اپنے ہاتھ سے کسی پر وار کیا، اُحد کے میدان میں جب ہر طرف سے آپؐ پر
پتھروں، تیروں اور تلواروں کی بارش ہو رہی تھی، آپؐ اپنی جگہ پھڑپھڑے رہے،
اور جان نثار وہ اپنے بائیں کٹکٹ کر گر رہے تھے،

اسی طرح حنین کی لڑائی میں اکثر مسلمان غازیوں کے ہاؤن اٹھ چکے تھے

لے ہدایان سے بیوہ قرآن پاک سے مدد یوں

حضرت علیؓ علیہ وسلم پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر کھڑے تھے، صحابہ کہتے ہیں: لڑائی کے اکثر مشرکون میں آپ وہاں ہوتے تھے، جہاں بڑے بڑے بناؤں کھڑا ہونا اپنی شجاعت کا آخری کارنامہ سمجھتے تھے، مگر ایسے خوفناک مقاموں میں رہ کر بھی دشمن پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے، اُحد کے دن جب مشرکون کے حملہ میں سر مبارک زخمی اور دندان مبارک شہید ہوا، یہ فرماتے تھے کہ خداوند! انھیں معاف کر کہ یہ نہیں جانتے،

ساتھ سال کی ناکامی کی تکلیفوں کے بعد بھی کبھی مایوسی نے آپ کے دل میں راہِ ناپائی مارا، آخر وہ دن آیا، جب آپ اکیلے سارے عرب پر چھائے گئے، ان کی تکلیفوں سے گھبرا کر ایک صحابی نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہم لوگوں کے لیے کیوں دعا نہیں فرماتے، یہ سن کر آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور فرمایا، کہ تم سے پہلے جو لوگ گزرے ان کو آرون سے چرا گیا، ان کے بدن پر لوگوں کی کنگھیاں چلائی گئیں، جس سے گوشت پوست سب کٹ کٹ جاتا، لیکن یہ تکلیفیں بھی ان کو حق سے پھیر نہ سکیں، خدا کی قسم دین اسلام اپنے کمال کے مرتبہ پہنچ کر رہے گا، بیان تک کو صفا، (میں) سے حضرت موت تک ایک سو، اس طرح بے خطر چلا جائے گا کہ اس کو خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہوگا،

ایک کا وہ غم و استقلال یاد ہوگا، جو آپ نے اپنے چچا کو یہ جواب دیا تھا کہ چچا جان! اگر قریش میرے دہنے ہاتھ میں سورج اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی حق کے اعلان سے باز نہ رہوں گا،

ایک بار دوپہر کو ایک لڑائی میں آپ ایک درخت کے نیچے اکیلے آرام

فرار ہے تھے، ایک عرب آیا، اور تلوار کھینچ کر بولا، بتائے محمد اب تجھ کو مجھ سے کوئی
بچا سکتا ہے؟ اطمینان اور تسلی سے بھری ہوئی آواز میں جواب دیا اللہ، وہ یہ
جواب سن کر کانپ گیا، اور تلوار نیام میں کر لی

لڑائیوں کے مالی غنیمت اور خیر و غیرہ کی زمینوں کی پیداوار کا حال سن کر
کسی کو یہ شبہ نہ ہو کہ اب اسلام کی غربت کا زمانہ ختم ہو گیا، اور پیغمبر اسلام علیہ السلام پر
آرام اور تزک و احتشام سے زندگی بسر کرنے لگے، اور واج مطہرات اور اہلبیت کرام
کے گھروں میں جو کچھ آیا، وہ دوسرے ضرورت مندوں اور محتاجوں کے نذر ہو جاتا
تھا، اور خود آپ کی اور آپ کے اہل بیت کی زندگیاں اسی تنگی اور غربت سے بسر ہوتی
تھیں، خود فرمایا کرتے تھے، کہ آدم کے بیٹے کے لیے ستر چھپانے کو ایک کپڑا اور پیٹ بھر
کو روکھی سوکھی روٹی اور پانی کافی ہے، اور اسی پر آپ کا عمل تھا، حضرت عائشہ
کہتی ہیں کہ آپ کا کپڑا کبھی ترکو کے رکھا نہیں جاتا تھا، یعنی ایک ہی جوڑا کپڑا ہوتا
تھا، دوسرا نہیں، جو ترکو کے رکھا جاتا، ^{مجلس} حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھروں میں اکثر فاقہ رہتا تھا، اور کئی کئی دنوں تک
رات کو کھانا نہیں ملتا تھا، دودھ و مینوں تک لگا مار گھروں میں چولہا جلنے کی نوبت
نہیں آتی تھی، چند کھجوروں پر گزارا ہوتا تھا، کبھی کوئی بڑی بکری کا دودھ بھجوتا
تو وہی پی لیتے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے مدینہ کے زمانہ قیام میں،
کبھی دودھ وقت سیر ہو کر کھانا نہیں کھایا،

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک بھوکا آپ کی خدمت میں آیا، آپ نے از روغ سطر
میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا، جواب آیا کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں، آپ نے دوسرے

گھر میں آدمی بھیجا، وہاں بھی یہی جواب آیا، غرض آٹھ نو گھروں میں سے کہیں پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہیں نکلی،

ایک دن آپ بھوک میں ٹھیک دوپہر کو گھر سے نکلے، راستہ میں حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ ملے، یہ دونوں بزرگ بھی بھوکے تھے، آپ ان کو لیکر حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کے گھر آئے، ان کو خبر ہوئی، تو دوڑے آئے، اور باغ سے جا کر کھجوروں کا ایک خوشہ توڑ لائے، اور سامنے رکھ دیا، اس کے بعد ایک بکری ذبح کی، اور کھانا تیار کیا، اور سامنے لا کر کھا، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھ کر فرمایا، یہ فاطمہؓ کے بیان میں ہے، اس کو کئی دن سے کھانا نصیب نہیں ہوا ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی ہے، تو حالت یہ تھی کہ آپ کی زرد تین سیر جو پر ایک یہودی کے پاس گر رہی تھی، جن کپڑوں میں وفات پائی، ان میں اوپر تلے پوند لگے ہوئے تھے،

حضرت فاطمہؓ زہرا سے آپ کو بڑی محبت تھی، مگر یہ محبت سونے چاندی کے زیوروں اور اینٹ چونے کے مکانوں میں کبھی ظاہر نہیں ہوئی، بی بی فاطمہؓ اپنی پانچ سالہ کام کرتی، مشک بھر کر پانی لاتی، آٹا گوند عتین، اور اگر کبھی باپ سے کسی غلام یا لونڈی کی فرمائش کرتی، تو فرماتے کہ بیٹی یہ قبیح پڑھ لیا کرو، ایک دفعہ جب بہت سی لونڈیاں اور غلام آئے، تو آپ کی خدمت میں جا کر عرض کی، فرمایا، جان پورا، بد کے یتیم اور صفہ کے مسافر تم سے زیادہ مستحق ہیں،

ان غلاموں سے تھانیدہ پاک کا یہ حال
گھر میں کوئی کینزہ کوئی غلام تھا
کس جس کی عین اتھ کی دونوں ہتھیلیاں
چکی کے پیسے کا جو دن رات کام تھا

سینہ پر شک بھر کے جولا تی تختین بار بار
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے
آنور گئیں جناب رسول خدا کے پاس
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ تھے
پھر جب گئیں دوبارہ پوچھا حضور نے
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سو کہہ سکیں
اے شادیہ ہوا کہ غریبان بے وطن
یہ ان کے بند و بست کا رخ نہیں ہوتا
جو جو مصیبتیں کہ اب ان پر گذرتی ہیں
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم و انکاحی
غاموش ہو کے سیدہ پاکؓ رہ گئیں

گو نور سے بھرا تھا گرنیل نام تھا
جھاڑ و کاشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
یہ بھی کچھ اتفاق کہ وہاں اون نام تھا
وہیں گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
کل کس لیے تمہاری تھیں کیا خاص کام تھا
حیدر نے ان کے منہ سے کہا جو پیام تھا
جن کا کہ عسقا نبویؐ میں قیام تھا
ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
میں ان کا ذمہ دار ہوں میرا یہ کام تھا
جن کو کہ بھوک پیاس و سونا حرام تھا
جرات نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا

یون کی ہوا ہل بیت مٹھنے زندگی

یہ ماجرا سے دختر خیر الانام تھا

آپؐ کبھی کسی کا احسان لینا گوارا نہ فرماتے حضرت ابو بکرؓ نے ہجرت کے وقت
سواری کے لیے اونٹ پیش کیا، تو آپؐ نے اس کی قیمت ادا فرادی جن لوگوں سے
تحفہ قبول فرماتے تھے، ان کو اس کا بدلہ ضرور دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص نے
بدین میں ایک اونٹنی پیش کی، آپؐ اس کا بدلہ دیا، تو اس کو بڑا معلوم ہوا، آپؐ نے منبر
پر کھڑے ہو کر فرمایا، کہ تم لوگ مجھے بدیہ دیتے ہو اور میں اسکان بھرا اس کا بدلہ
دیتا ہوں تو ناراض ہوتے ہو،

آپ لین وین کے معاملات میں بہت صاف تھے: فرمایا کرتے کہ سب بہتر لو
وہ ہیں جو قرض کو اچھی طرح سے ادا کرتے ہیں، ایک دفعہ کسی سے آپ نے اونٹ خریدا
لیا، جب واپس کیا تو اس سے بہتر اونٹ واپس کیا، ایک بار کسی سے ایک
ہالیو عاریٹ لیا، اتفاق سے وہ گم ہو گیا، تو آپ نے اس کا تاوان ادا فرمایا،

جو وعدہ فرماتے اس کو پورا کرتے، کبھی بد عہدی نہیں فرمائی، صلح حدیبیہ میں
ایک شرط یہ بھی تھی، کہ مکہ سے جو مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا، وہ مکہ والوں کے مطالبہ
پر واپس کر دیا جائے گا، چنانچہ ایک صاحب ابو جندل مکہ سے بھاگ کر آئے،
اور فریاد کی، سب مسلمان یہ دیکھ کر تڑپ گئے، لیکن آپ نے صاف فرما دیا کہ اے
ابو جندل! صبر کرو، میں بد عہدی نہیں کروں گا، اللہ تمھارے لیے کوئی راستہ نکالے گا،

سجائی آپ کی ایک ایسی صفت تھی کہ دشمن بھی اس کو مانتے تھے، ابو جہل
کہا کرتا تھا کہ محمد بن تم کو جھوٹا نہیں کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے ہو اس کو صحیح نہیں سمجھتا،
آپ شریعہ بہت تھے، کبھی کسی کے ساتھ بد بانی نہیں کی، بازار وین جاتے

تو چپ چاپ گزر جاتے، بھری محفل میں کوئی بات ناگوار ہوتی، تو لحاظ سے وہاں
سے کچھ نہ کہتے، لیکن چہرہ سے معلوم ہو جاتا، آپ کی طبیعت میں بہت استقلال

تھا، جس چیز کا پکا ارادہ ہو جاتا، پھر اس کو پورا ہی فرماتے، غزوہ احد میں صحابہؓ
سے مشورہ کیا، سب نے حملہ کی رائے دی لیکن جب آپ زرہ بن کر تشریف
لے تو رک جانے کا مشورہ دیا گیا، آپ نے فرمایا، پیغمبر زرہ ہنگر آتا نہیں سکتا

آپ کی بہادری بھی بے مثال تھی، ایک بار مدینہ میں شور ہوا کہ دشمن گئے
مقابلہ کے لیے تیار ہوئے، لیکن سب سے پہلے حضورؐ نکل پڑے، اور گھوڑے پر

زین کے بغیر گشت لگائے، اور واپس آکر لوگوں کو تسکین دی، کہ کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے۔

مزاج مبارک میں سادگی بہت تھی، کھانے پینے، پہننے اور ٹھننے، کچھ بھی کسی چیز میں تکلف پسند نہ تھا، جو سامنے آجاتا وہ کھا لیتے، پہننے کے لیے موٹا چھوٹا جوتا جاتا اس کو پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جان جگہ ملتی بیٹھ جاتے، خدا کی نعمتوں سے جائزہ طور پر فائدہ اٹھانے کی اجازت آپ نے ضرور دی، لیکن تن پروری اور عیش نہ اپنے لیے پسند فرمایا، نہ عام مسلمانوں کے لیے، ایک بار حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے، دیکھا کہ گھر میں چھت گیری لگی ہوئی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی اور فرمایا کہ خدا نے ہم کو دولت اس لیے نہیں دی ہے کہ اینٹ پتھر کو کپڑے بنائے جائیں، ایک بار حضرت فاطمہؓ کے گلے میں سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تم کو براہِ معلوم ہوگا، جب لوگ کہیں عکے کہ پٹیر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے،

دنیا سے بے رغبتی کے باوجود آپ کو خشک مزاجی اور روکھا پن پسند نہ تھا کبھی کبھی بچسی کی باتیں فرماتے، ایک بار ایک بڑھیا آپ کے پاس آئی، اور جنت کے لیے دعا کی خواہش کی، آپ نے فرمایا کہ بڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی، ایک بہت رنج ہوا، روتی ہوئی واپس چلی، آپ نے لوگوں سے کہا کہ اس عکے کو بڑھیاں جنت میں نہ جائیں گی، مگر جوان ہو کر جائیں گی، بعض لوگ رات دن نماز روزہ میں مشغول رہنا چاہتے تھے، اس کی وجہ سے بیوی بچوں نیز اپنے جسم کے حق کو پورا نہ ہونے کا اندیشہ تھا، اس لیے حضورؐ اس کو روکتے، حضرت عبداللہؓ ابن عمرؓ کے متعلق خبر ہوئی کہ انھوں نے ہمیشہ دن میں روزہ رکھنے اور رات بھر نماز

ت کرنے کا عہد کیا ہے، آپ نے ان کو بلا بھیجا، اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟
 انہوں نے کہا ہاں! فرمایا کہ تم پر بھاری قسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بوی کا حق ہے
 • آپ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ کسی کے گھر جاتے تو دروازے کے دائیں یا بائیں کھڑے
 ہوتے، اور اس سے اجازت مانگتے، سامنے اس لیے نہ کھڑے ہوتے کہ نظر گھر کے
 نہ پڑے،

صفائی کا خاص خیال رہتا، ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ
 اس سے اتنا نہیں ہوتا، کہ کپڑے دھو لیا کرے گفتگو ٹھہر ٹھہر کر فرماتے تھے، ایک
 فقرہ الگ ہوتا، کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے، جو بات ناپسند ہوتی،
 کو ال دیتے، زیادہ تر چپ رہتے، بے ضرورت گفتگو نہ فرماتے، ہنسی آئی تو مسکراتے
 آپ ہر لحظہ اور ہر لمحہ خدا کی یاد میں لگے رہتے، اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے، عز
 وقت اسی کی خوشی کی تلاش رہتی، اور ہر حالت میں دل اور زبان سے اللہ کی یاد
 ہی رہتی، صحابہ کی محفلوں میں یا بیویوں کے حجرہ میں ہوتے، اور یکایک
 ان کی آواز آتی، آپ اٹھ کھڑے ہوتے، رات کا بڑا حصہ خدا کی یاد میں بسر فرماتا،
 پوری پوری رات نماز میں کھڑے رہتے، اور بڑی بڑی سورتیں پڑھتے، آپ
 اللہ تعالیٰ کے بڑے بارے پیغمبر تھے، پھر بھی فرمایا کرتے، کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم
 ہے اوپر کیا گزرے گی؟ ایک مرتبہ بڑے پر اثر الفاظ میں فرمایا، اے فرشتو!
 اپنی خبر لو، میں تم کو خدا سے نہیں بچا سکتا، اے عبد مناف! میں تم کو خدا سے
 بچا سکتا، اے عباس بن عبدالمطلب! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے
 محمد رسول خدا! میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا، اے محمد کی بیٹی فاطمہ!

میں تم کو بھی خدا سے نہیں بچا سکتا۔

ایک صحابی کا بیان ہے کہ میں ایک بار حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔

تو آپ نماز پڑھ رہے تھے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور دستوں میں ایک بندہ گئی تھیں، کہ معلوم ہوا تھا کہ چکی چل رہی ہے، یا ہانڈی ابل رہی ہے۔

آپ ایک جنازہ میں شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی، آپ قبر کے کنارے سے گئے، اور یہ منظر دیکھ کر رونے لگے، یہاں تک کہ زمین تر ہو گئی، پھر فرمایا: بھائیو! اس

دن کے لیے سامان کر رکھو،

اور آپ کے صفوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک حالات اور آپ کے

اچھے اخلاق اور عادات کو پڑھ چکے، اب اس کی کوشش ہونا چاہیے کہ حضور

کی زندگی کی ہم پیروی اور آپ کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کریں، کہ خدا کی خوشی حاصل

کرنے کا یہی ذریعہ ہے، اور دین و دنیا کی بادشاہت کی صرف یہی ایک گنجائش ہے۔